

دارالاسلام (پٹھان کوٹ) کا تعلیمی منصوبہ (ایک تحقیقی مطالعہ)

محمد ارشد*

جنوبی ایشیا میں غیر مسلم برطانوی اقتدار کے قیام و استحکام نے یوں تو ملت اسلامیہ کی اجتماعی زندگی کے سبھی شعبوں خصوصاً فکری و اعتقادی، قانونی، عدالتی، اور تہذیبی و سماجی پر اثر ڈالا لیکن روایتی نظام تعلیم و تربیت کو تو اس بیرونی اقتدار کے ہاتھوں شدید زک پہنچی اور اس کا تار و پود بکھر کر رہ گیا۔ مسیحی مبشرین اور برطانوی حکام نے اس خطے میں جو جدید نظام تعلیم رائج کیا وہ مسیحیت اور مغربی تہذیب و افکار کی اشاعت کا ایک نہایت طاقت ور وسیلہ بن گیا (۱) مسیحی مبشرین کی تبلیغی مساعی اور ان کے قائم کردہ تعلیمی اداروں کی مسموم فضا کے زیر اثر بعض مسلم افراد کے اپنے قدیم مذہب سے برگشتہ ہو کر حلقہ بگوش مسیحیت ہو جانے کے واقعات بھی رونما ہوئے۔ (۲)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد تو مسلم تہذیب و معاشرت کی بقا کو شدید خطرات لاحق ہو گئے۔ اس نازک دور میں مسلمانوں میں، دینی و سیاسی امور و مسائل میں ان کی راہنمائی کے لیے، دو قسم کی قیادتیں ابھر کر سامنے آئیں۔ پہلی قیادت دینی قیادت تھی جس کے علمبردار روایتی علمائے دین تھے، جبکہ دوسری قیادت کے علمبردار سید احمد خاں (۱۸۱۷-۱۸۹۸) اور ان کے جدید الحیال رفقاء تھے۔ ان دونوں قیادتوں نے نوخیز نسل کی تعلیم و تربیت کے لیے زبردست تعلیمی تحریکیں برپا کیں اور درس گاہیں قائم کیں۔

علماء نے عیسائیت کی ترویج و اشاعت میں حکومت کی سرگرمی و گرجوئی اور مغربی تہذیب کی مسلم عوام میں غیر معمولی تیزی کے ساتھ مقبولیت اور مسلمانوں کے عقائد اور اخلاق و معاشرت میں اس کے اثرات کی وجہ سے اس امر کی فکر شروع کی کہ اسلامی زندگی کے مظاہر اور اسلامی تہذیب و معاشرت کے بچے کچھ آثار کے تحفظ کی کوشش کی جائے اور اس غرض سے عربی مدارس قائم کر کے وہاں داعی و مبلغ تیار کیے جائیں۔ اس تعلیمی تحریک کے، جس کا آغاز ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کے قیام سے ہوا، سربراہ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۳۸-۱۲۹۷ھ/ ۱۸۳۲-۱۸۸۰ء) تھے۔ اس تعلیمی تحریک نے جدید مغربی تہذیب و معاشرت خصوصاً مغربی علوم اور زبانوں کے بارے مقاطعے کی روش اختیار کی۔ (۳) چنانچہ دارالعلوم دیوبند نے خود کو صرف روایتی دینی علوم کی قدیم طریقہ پر

* مدیر، شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

تعلیم و تدریس تک محدود رکھا۔ (۴)

علماء کے مقابلے میں سرسید احمد خان (۱۸۱۷-۱۸۹۷ء) نے مسلمانوں میں انگریزی زبان اور جدید مغربی علوم کی اشاعت کو وقت کی سب سے بڑی ضرورت قرار دیا اور اس غرض سے ایک زبردست تعلیمی تحریک (تحریک علی گڑھ) برپا کی اور مختلف شہروں میں جدید طرز کے مدارس جبکہ علی گڑھ میں ایک کالج قائم کیا۔ سرسید احمد خان نے مسلم قوم کو جدید علوم اور انگریزی زبان کی تحصیل کے ساتھ ساتھ حاکم قوم کی تہذیب و طرز معاشرت اور عادات و اطوار کی تقلید و نقالی کی دعوت بڑے جوش و جذبے سے دی۔ (۵)

سرسید کے دور میں اور ان کے بعد بھی انگریزی اسٹاف کو پالیسی سازی کے علاوہ کالج کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ انگریزی اسٹاف نے طلباء کو انگریزی زبان و ادب کے علاوہ مغربی تہذیب و معاشرت اور افکار و خیالات کا شیفہ و دلدادہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ (۶) چنانچہ اس دور میں طلباء کا طرز فکر خالصتاً مغربی ہو گیا۔ وہ اسلامی و مغربی تہذیبی و معاشرتی اقدار کے بارے میں اجنبیت جبکہ خود اسلامی عقائد و تعلیمات کے بارے میں تشکیک و ارتباب میں مبتلا ہوئے۔ سرسید احمد خان کے طرز فکر و عمل اور اس کے اثرات و نتائج کے بارے میں سید ابوالحسن علی ندوی کا یہ تبصرہ بڑا موزوں اور بر محل معلوم ہوتا ہے:

”انھوں (سرسید احمد خان) نے نظامِ تعلیم کو مغرب سے اُس کی ساری تفصیلات، خصوصیات، اُس کی رُوح و مزاج اور اُس ماحول و روایات کے ساتھ جو اُس سے وابستہ تھیں۔ جوں کا توں برآءِ مد کیا۔ انہوں نے صرف مغرب کے تعلیمی نظام ہی پر اصرار نہیں کیا بلکہ مغربی تمدن اور روح کے قبول کرنے پر بھی شدید اصرار کیا۔ کالج کے بڑے اساتذہ میں سے کم از کم چار پانچ ضرور انگریز ہوتے تھے، جو مختلف شعبوں میں منتظم و نگرانی کے فرائض انجام دیتے تھے، کالج کے نظام اور طلباء کے اخلاق پر ان کا گہرا اثر تھا۔ غرضیکہ سرسید کی دعوت اور تعلیمی نظریہ مغربی تہذیب کی تقلید و نقالی کی دعوت کے ساتھ لازم و ملزوم ہو گیا۔ ان اثرات اور مغربی ماحول کی وجہ سے جو کالج پر چھایا ہوا تھا ایک ایسی اسلامی نسل پیدا ہوئی جو نام کے لحاظ سے مسلمان اور ذہن و دماغ کے لحاظ سے خالص مغربی تھی، معاشرت و تمدن میں انگریزی طور و طریق کی پابند اور حامی جبکہ عقائد میں کمزور اور متزلزل۔“ (۷)

غرضیکہ ملتِ اسلامیہ کا بڑا حصہ ان دونوں تعلیمی تحریکوں اور قیادتوں کے درمیان ہچکولے کھاتا رہا، جس میں سے ایک قدیم طرزِ تعلیم اور مسلک سے سرمو انحراف ایک قسم کی تحریف اور بدعت گردانتی تھی جبکہ دوسری تحریک

مغرب سے آنے والی ہر چیز کو عظمت و تقدیس کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور اس کو ہر عیب اور نقص سے پاک سمجھتی تھی جہاں تک کہ اہل مغرب کے افکار اور فکری رجحانات بھی اس کو عظمت و عصمت کا پیکر نظر آتے تھے اور اس کو وہ ذہن انسانی کی پرواز کی آخری منزل تصور کرتی تھی۔ (۸)

تحریک ندوۃ العلماء: قدیم و جدید کے امتزاج کی علمبردار

انیسویں صدی کے اواخر میں قدیم روایتی طرزِ تعلیم میں اصلاح کی غرض سے ندوۃ العلماء کے نام سے ایک نئی تعلیمی تحریک منظرِ عام پر آئی (۱۸۹۲ھ/۱۳۱۰ء)۔ ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد میں رفعِ نزاع باہمی (علماء کے مذہبی و فقہی نزاعات و اختلافات کا رفع کرنا)، اسلام کی تبلیغ و اشاعت، مسیحی مبشرین و مستشرقین کے اعتراضات کے مقابلہ میں اسلام کی حمایت و مدافعت اور اصلاحِ نصاب و طریقہٴ تعلیم کو خاص اہمیت دی گئی۔ (۹) بانیانِ ندوۃ العلماء نے بلند و بانگ دعویٰ کے ساتھ مدارس کے قدیم نظام و نصابِ تعلیم میں اصلاح و ترمیم اور قدیم و جدید میں امتزاج کا غلغلہ بلند کیا اور اس غرض سے ایک دارالعلوم -- دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ -- کے نام سے قائم کیا۔ (۱۰) بقول علامہ شبلی نعمانی ”دارالعلوم ندوۃ العلماء اس غرض سے قائم کیا گیا کہ اس میں علومِ دنیوی اور علومِ دینی کی تعلیم ایک ساتھ دی جائے اور اس سے ایسے روشن خیال علماء پیدا ہوں جو دونوں قسم کے علوم کے جامع ہوں اور وہ جدید اور قدیم گروہوں کے درمیان رابطہ اتحاد کا کام دیں اور اسلام کا وہ مکمل نقشہ ان کے پیش نظر ہو جس میں دین اور دنیا دونوں جمع کیے گئے ہوں۔“ (۱۱)

بانی ندوۃ العلماء مولانا سید محمد علی مونگیری (۱۲۶۲ - ۱۳۴۶ھ/۱۸۴۶ - ۱۹۲۷ء) نے دارالعلوم کے لیے جو نصاب مرتب کیا اس میں جدید فلسفہ، جدید ہیئت اور جدید تاریخ کی تعلیم و تدریس کی ضرورت کو پیش نظر رکھا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جن علوم کی اہمیت اس زمانہ میں بہت بڑھ گئی ہے۔ ان کو نصاب میں داخل کیا جائے۔ مثلاً جدید علمِ کلام، ریاضی، اور تاریخ و جغرافیہ وغیرہ، منطق و فلسفہ، قدیم کے بڑے حصہ کو ترک کیا جائے اور صرف اس کے مفید اور ضروری اجزاء پر اکتفا کیا جائے۔ قرآن و حدیث اور فقہ کی طرف توجہ دی جائے۔ (۱۲) مولانا محمد علی مونگیری نے جدید علمِ کلام کی تدوین اور فلسفہ جدید کے ردِّ نیز دعوت و تبلیغ کے لیے طلباءِ علومِ دینیہ کے لیے انگریزی زبان کا سیکھنا بھی ضرور قرار دیا۔ مولانا کے الفاظ میں:

”فلسفہ جدید کا رد کرنے کے لیے زبانِ انگریزی کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ یہ فلسفہ زبانِ انگریزی میں ہے اور ترجمہ کرا کے اس کا جواب دینا جیسا کہ ابتدائے اسلام میں فلسفہ یونانی کے ساتھ کیا گیا، کافی نہیں ہو سکتا۔“ (۱۳)

مولانا سید محمد علی مونگیری کو اس بات کی بڑی فکر تھی کہ ہمارے طلباء اور علماء جن کے ہاتھ میں امت کی زمام قیادت ہے انگریزی زبان اور جدید علوم سے بہرہ مند ہوں اور اس کو اسلام کی ترجمانی کا ذریعہ بنائیں اور نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے مغرب زد طبقہ پر اثر انداز ہوں بلکہ یورپ میں جا کر اسلام کا پیغام پھیلائیں۔ (۱۴)

ان اعلیٰ و ارفع اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے ستمبر ۱۸۹۸ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ کا عملی افتتاح ہوا اور اُس کے ابتدائی درجات کھل گئے۔ تاہم اصلاحِ نصاب و طریقہٴ تعلیم سے متعلق ندوۃ العلماء کے بانیوں کے بلند عزائم کے باوجود اس دارالعلوم کا نصاب دارالعلوم دیوبند کے نصاب سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ (۱۵)

”دیوبندی نظام و نصاب تعلیم جو درسِ نظامی پر مبنی تھا اور ندوی نظام و نصاب تعلیم کے درمیان نصابِ تعلیم کا اختلاف اصولی نہیں، جزئی نوعیت کا تھا۔“ (۱۶)

البتہ اس کے نصابِ عربی زبان و ادب کی تعلیم و تدریس پر خاص توجہ گئی۔ مزید برآں تاریخ اور جغرافیہ کے علاوہ انگریزی زبان کو بھی نصاب کا حصہ بنایا گیا۔ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۲ء میں ”سیکنڈ لیٹریچ“ کی حیثیت سے انگریزی کا ایک کلاس کھول دیا گیا اور اس مقصد کے لیے انگریزی کے ایک مدرس کا تقرر بھی عمل میں آ گیا۔“ (۱۷) تاہم ندوۃ العلماء کے ایک ممتاز اور سربراہِ آوردہ رکن مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) اس امر کے زبردست داعی و حامی تھے کہ نصابات میں انگریزی زبان اور جدید علوم بھی شامل کیے جائیں، تاکہ ایسے داعی اور مبلغ تیار ہو سکیں جو مسیحی مبشرین و مستشرقین کے اعتراضات کا رد کر سکیں اور مغرب کے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت مؤثر طور پر پہنچا سکیں۔ مولانا شبلی نے خاص اس غرض سے دارالعلوم میں انگریزی زبان کی تعلیم و تدریس کی پُر زور حمایت کی تھی۔ (۱۸) انھوں نے ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۱۰ء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”عربی قدیم مدارس کا حال یہ ہے کہ نہ ان میں انگریزی زبان کی تعلیم ہوتی ہے اور نہ جدید علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں نہ نئے خیالات سے ان کو واقف کرایا جاتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے تعلیم یافتہ جدید تعلیم یافتہ افراد کے خیالات پر کیا اثر ڈال سکتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے خیالات سمجھ بھی نہیں سکتے۔ ندوۃ العلماء کا دارالعلوم درحقیقت ایک ”جامعہ دینیہ“ یعنی ایک مذہبی یونیورسٹی کا سنگ بنیاد ہے۔ آج مسلمانوں کو سب سے زیادہ ایک ایسی مذہبی یونیورسٹی کی ضرورت ہے۔ جس میں اسلامی علوم اعلیٰ درجے تک پڑھائے جائیں، جس میں یورپین علوم و فنون کی تعلیم کا کافی بندوبست کیا جائے، جو جدید علم کلام پیدا کر سکے، جس کے تعلیم یافتہ انگریزی زبان میں وعظ اور مذہبی لیکچر دے سکیں، اس قسم کی یونیورسٹی

کی ضرورت اور اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔“ (۱۹)

مولانا شبلی بڑی قوت و طاقت سے کہتے تھے کہ

”مذہبی تعلیم کے ساتھ انگریزی تعلیم کی ضرورت ہے۔ موجودہ فلسفہ کا مقابلہ علوم جدیدہ کی واقفیت کے بغیر کیونکر ہو سکتا ہے؟ یورپ میں اسلام کی اشاعت انگریزی دانی کے بغیر کیونکر ہو سکتی ہے؟ آریوں اور عیسائیوں کے مذہبی حملوں کا علم انگریزی دانی کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے؟“ (۲۰)

مولانا شبلی کی رائے تھی کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تمام طلبہ کے لیے انگریزی لازمی کی جائے۔ انہوں نے سید سلیمان ندوی کے ایک سوال کہ ”آپ مدرسہ میں انگریزی کو کیوں لازم قرار دیتے ہیں؟“ کے جواب میں فرمایا:

”نئی تعلیم کس تیزی سے پھیلتی جاتی ہے، اسی کے ساتھ عربی زبان کی تعلیم اعلیٰ مسلمان خاندانوں سے مٹتی جاتی ہے۔ اب نئے تعلیم یافتوں کی مذہبی واقفیت کا مدار انگریزی کی کتابوں اور اسلامی کتابوں کے ترجموں پر رہ جائے گا۔ اس وقت ہمارے مذہبی علوم کی کیا حالت ہوگی۔ اب بھی دیکھو جب غیر مذہبی تعلیم یافتوں کو قرآن پاک کے سمجھنے کا شوق ہوتا ہے تو وہ اپنی اس پیاس کو سیل [G. Sale] کے انگریزی ترجمہ سے بجھاتے ہیں۔ فقہ اسلامی کا مدار ہدایہ کے انگریزی ترجمہ پر رہ گیا ہے۔ کیا یہ کام ہمارے علماء کا نہیں؟“ (۲۱)

مولانا شبلی کہتے تھے کہ ”اگر فقہاء انگریزی جانتے ہوتے اور ہماری فقہ کو انگریزی میں منتقل کر سکتے تو ہدایہ وغیرہ کے انگریزوں اور غیر مسلموں کے کیے ہوئے غلط سلسلے ترجمے آج عدالتوں میں سند قرار نہ پاتے۔“ (۲۲) مولانا شبلی کی رائے تھی کہ ”ایسے علماء جو موجودہ زمانے میں اپنے علمی وقار کو قائم رکھ سکیں، معترضین اسلام کے جوابات دے سکیں اور نئے تعلیم یافتوں کی تشفی کر سکیں بغیر اس کے ممکن نہیں کہ وہ انگریزی زبان سے تھوڑی واقفیت رکھیں۔“ (۲۳)

آخر کار مولانا شبلی کے اصرار پر ۱۹۰۳ء میں انگریزی ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے شریک نصاب کی گئی۔ (۲۴) آخر ربیع الاول ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں دارالعلوم میں پندرہ روپے ماہوار پر ایک انگریزی کا استاد مقرر ہو گیا اور کچھ طالب علموں نے اے بی سی ڈی پڑھنا شروع کی مگر یہ تعلیم دفع الوقتی سے زیادہ نہ تھی۔ ساہا سال کے بعد بھی کوئی پرائمری سے آگے نہیں پڑھا۔ مولانا شبلی چند سال بعد ۱۹۰۵ء میں دارالعلوم کے معتمد تعلیمات ہوئے تو ان کے

اصرار سے ہر لڑکے کے لیے انگریزی زبان کی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔ (۲۵) انگریزی کی یہ تعلیم اتنی تھی کہ طالب علموں میں میٹرک تک کی لیاقت پیدا ہو جائے۔ مولانا شبلی کا خیال تھا کہ ۸ برس کی عربی تعلیم کے بعد دو برس خاص انگریزی تعلیم کے لیے انگریزی کا ایک درجہ تکمیل کھولا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ جب طلبہ درجہ تکمیل میں دو برس تک اور صرف انگریزی پڑھیں گے تو زبان دانی میں قابل گریجوایوں کی برابری کر سکیں گے اور اس وقت انگریزی میں تبلیغ اسلام کی خدمت انجام دے سکیں گے۔ (۲۶) مگر یہ درجہ دارالعلوم میں قائم نہ ہو سکا۔ افسوس کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں قدیم و جدید کی یکجائی اور امتزاج کا مقصد بھی حاصل نہ ہو سکا۔ دارالعلوم میں انگریزی کا جو نصاب رائج کیا گیا وہ اس قدر معمولی تھا کہ اس سے طلباء میں اتنی استعداد ہرگز پیدا نہ ہو سکتی تھی کہ وہ انگریزی زبان میں تصنیف و تالیف اور دعوت و تبلیغ کا وظیفہ بجالاتے۔ بالفاظ محمد مجیب (سابق شیخ الجامعہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ - نئی دہلی)۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بانیوں کا یہ خیال کہ انگریزی زبان، تاریخ اور جغرافیہ کا معمولی علم طلباء میں فلسفہ جدید کے رد اور مستشرقین کے اعتراضات کے جواب اور مغرب میں دعوت تبلیغ اسلام کی صلاحیت پیدا کر دے گا، درست نہ تھا۔“ (۲۷)

غرضیکہ بانیان دارالعلوم ندوۃ العلماء کے یہ اجتہادی نوعیت کے اقدامات قدیم و جدید کی کشمکش کو ختم کر کے ایک ایسا جامع و متوازن نظام و نصاب تعلیم کو جاری کرنے میں ناکام رہے کہ جس سے بہرہ مند ہونے والے افراد قدیم روایتی اسلامی علوم پر دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ جدید علوم سے بھی آراستہ ہوتے، اور وہ ایک طرف جدید تعلیم یافتہ طبقے اور اہل مغرب کے سامنے اسلام کو مؤثر طور پر پیش کرنے کی صلاحیت و استعداد کے حامل ہوتے اور دوسری طرف ملت اسلامیہ کو درپیش نئے مسائل کے لیے اجتہاد کو بروئے کار لا کر احکام اسلام کی تعبیر نو کا وظیفہ انجام دیتے۔ (۲۸) بعض ناقدین کی رائے میں تو ”ندوۃ العلماء - لکھنؤ“ فکر و نظر کا مرکز بننے کی بجائے صرف عربی زبان و ادب کا ایک گہوارہ اور تاریخ اسلامی کا ایک دارالاشاعت بن کر رہ گیا اور علی گڑھ کے جدید اور دیوبند کے قدیم مذہبی فکر کے مابین کوئی حقیقی اور واقعی امتزاج پیدا کرنے میں بالکل ناکام رہا۔“ (۲۹)

ڈاکٹر محمد اقبال کا تصور اسلامی دارالعلوم اسلامی یونیورسٹی

دریں صورت ملت کا درد رکھنے والے کچھ اہل فکر و نظر ایسے بھی تھے، جو صرف قدیم روایتی اور جدید مغربی دونوں نظام ہائے تعلیم سے غیر مطمئن تھے۔ وہ ندوۃ العلماء کے تعلیمی تجربے سے بھی مطمئن نہ تھے اور ملت کے دینی و ملی تقاضوں کی تکمیل کے لیے نئے تعلیمی تجربے کے خواہاں تھے۔ اس گروہ کے سرخیل حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال تھے۔ ڈاکٹر محمد اقبال محسوس کرتے تھے کہ قدیم روایتی اور جدید مغربی دونوں نظام ہائے تعلیم ملت کے دینی و روحانی

مقاصد اور اس کے اجتماعی نصب العین سے مطابقت نہیں رکھتے۔ انھوں نے جدید مغربی تعلیم کی خامیوں اور عُیُوب و نقائص نیز اس نظام کے مسلمانوں کی نوخیز نسل کے قلب و ذہن پر مرتب ہونے والے فاسد و منفی اثرات کی برملا طور پر نشان دہی کی۔ (۳۰) وہ مغربی تعلیم کے فاسد اثرات کے ازالہ کی تدابیر سوچتے رہتے تھے۔ بطور خاص وہ عصرِ جدید میں اسلام کی تعبیر نو اور اجتہاد کی صلاحیت و استعداد سے بہرہ ور افراد کی تیاری کو ایک ناگزیر ملٹی ضرورت گردانتے تھے۔ چنانچہ وہ اس غرض سے ایک اسلامی یونیورسٹی/ جدید اسلامی دارالعلوم کے قیام کو ضروری خیال کرتے تھے۔ ۱۹۱۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ”ملتِ بیضاء پر ایک عمرانی نظر“ کے عنوان سے اپنے خطبے میں انہوں نے فرمایا:

”اسلامی یونیورسٹی کے خیال کا ہمارے دل میں پیدا ہونا حقیقت میں ہماری قومی ہستی کے حق میں ایک مبارک علامت ہے۔ جب ہم اپنی قوم کی نوعیت پر نظر ڈالتے ہیں تو اس قسم کے دارالعلم (دارالعلوم) کی ضرورت میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں رہتی۔ مسلمان کو بے شک علومِ جدیدہ کی تیز پافشاری کے قدم بقدم چلنا چاہیے لیکن یہ بھی ضرور ہے کہ اس کی تہذیب کا رنگ خالص اسلامی ہو اور یہ اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک ایسی یونیورسٹی موجود نہ ہو جسے ہم اپنی قوم کی تعلیم کا مرکز قرار دے سکیں۔

ہندوستان میں اسلامی یونیورسٹی کا قیام ایک اور لحاظ سے بھی نہایت ضروری ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہماری قوم کے عوام کی اخلاقی تربیت کا کام ایسے علماء اور واعظ انجام دے رہے ہیں جو اس خدمت کی انجام دہی کے لیے پوری طرح سے اہل نہیں ہیں۔ اس لیے کہ اُن کا مبلغ علم، اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم کے متعلق نہایت ہی محدود ہے۔ اخلاق اور مذہب کے اُصول و فروع کی تلقین کے لیے موجودہ زمانے کے واعظ کو تاریخ، اقتصادیات اور عمرانیات کے حقائقِ عظیمہ سے آشنا ہونے کے علاوہ اپنی قوم کے ادب اور تخیل میں پوری طرح دسترس رکھنی چاہیے۔ الندوۃ، علی گڑھ کالج، مدرسہ دیوبند اور اس قسم کے دوسرے مدارس، جو الگ الگ کام کر رہے ہیں اس بڑی ضرورت کو رفع نہیں کر سکتے۔ ان تمام بکھری ہوئی ضرورتوں کی شیرازہ بندی کے لیے ایک وسیع اغراض کا مرکزی دارالعلوم ہونا چاہیے، جہاں افرادِ قوم نہ صرف خاص قابلیتوں کو نشوونما دینے کا موقع حاصل کر سکیں، بلکہ تہذیب کا وہ اسلوب یا سانچا بھی تیار کیا جاسکے جس میں موجودہ زمانہ کے ہندوستانی مسلمان کا ڈھلنا ضروری ہے۔ پس یہ امر قطعی طور پر ضروری ہے کہ ایک نیا مثالی دارالعلم (دارالعلوم) قائم کیا جائے جس کی مسند نشین اسلامی تہذیب ہو اور جس میں قدیم و جدید کی آمیزش عجب و دلکش انداز میں ہوتی ہو۔“ (۳۱)

دارالاسلام (جمال پور، پٹھان کوٹ) کا تعلیمی منصوبہ

جیسا کہ مذکورہ بالا بیان سے مترشح ہوتا ہے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اس امر کے شدید طور پر آرزو مند تھے کہ کوئی ایسا علمی مرکز قائم ہو جہاں دینی و دنیوی علوم کے ماہرین مجتمع ہوں اور جس میں فکرِ اسلامی (علم الکلام اور فقہ) کی تشکیل و تدوین جدید کے لیے اعلیٰ پائے کے ماہرین (متکلمین اور فقہاء) کی تعلیم و تربیت کا عمدہ و اعلیٰ انتظام ہو۔ جہاں دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء کے ایسے منتہی طلبا کو، جو جدید عمرانی و سائنسی علوم خصوصاً فلسفہ و ریاضی کی طرف میلان رکھتے ہوں، تعلیم و تربیت دی جائے تاکہ وہ اسلام کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق پیش کریں اور علمی طور پر اس کی حقانیت کو ثابت کریں۔ (۳۲)، اور وہ علوم اسلامی کے متعلق ایسی کتابیں لکھیں جو عصر حاضر کی فکر میں انقلاب پیدا کر دیں (۳۳) اس اہم ترین دینی و ملی وظیفہ کی بجا آوری کے لیے ایک علمی مرکز کے قیام سے متعلق علامہ کی اس دیرینہ آرزو کی تکمیل کی ایک صورت، ان کی زندگی کے آخری سالوں میں چودھری نیاز علی خان کے تعلیمی منصوبے دارالاسلام کی بدولت پیدا ہوئی۔ ۱۹۳۵ء میں جمال پور (پٹھان کوٹ، ضلع گورداس پور) کے ایک خوشحال زمیندار چودھری نیاز علی خان (۱۸۸۰-۱۹۷۶ء) نے، جو خدمتِ دین اور اصلاحِ ملت کا جذبہ وافر رکھتے تھے۔ (۳۴) پٹھان کوٹ سے چند میل کے فاصلے پر قصبہ جمال پور میں روایتی و جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کی اصلاح و تربیت اور عامۃ الناس کی دینی تعلیم کے لیے ایک ایسے ادارے کے قیام کی تحریک شروع کی کہ یہاں قابل اور صاحب بصیرت علماء علوم مشرقی اور علوم مغربی کے منتہی اشخاص کو قرآن شریف پڑھائیں اور ان کے مطالعہ قرآن مجید میں ہدایت و رہنمائی کریں۔ ساتھ ہی وہ قرآن مجید کی بصیرت کی روشنی میں مسائل و معاملات حاضرہ پر تصنیف و تحقیق کا کام بھی انجام دیں اور وقتاً فوقتاً اپنی تحریرات کے ذریعے اپنی آرا کا اظہار فرماتے رہیں۔ (۳۵)

نیاز علی خان نے مجوزہ ادارے کے قیام اور انتظام و انصرام کے سلسلے میں رہنمائی و مشاورت کی غرض سے برعظیم پاک و ہند کے سربراہان و آئینہ علم و نظر سے مراسلت شروع کی، جن میں سے ڈاکٹر محمد اقبال، مولانا محمد اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳-۱۹۴۳ء)، علامہ سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴-۱۹۵۳ء)، مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸-۱۹۵۸ء) کے علاوہ سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) اور آسٹریں نو مسلم محمد اسد (۱۹۰۰-۱۹۹۲ء) بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ (۳۶) نیاز علی خاں کا خیال تھا کہ کوئی بزرگ اور صوفی منش عالم دین اس کے منصرم مقرر ہوں۔ جو اپنے عقائد مسلمات کے لحاظ سے تو متقدمین میں سے ہو مگر حالات حاضرہ پر اسے قابو ہو۔ اس غرض سے انہوں نے دارالعلوم دیوبند کے سربراہان و آئینہ علم و نظر سے رجوع کیا۔ مولانا محمد اشرف علی تھانوی نے اس ادارہ کے لیے بطور شیخ کسی اور عالم دین کا نام تجویز کیا جو اس وقت رنگون اور سہارن پور کے مدارس میں تعلیم و تدریس

میں مشغول تھے اور وہ ان مدارس کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ (۳۷) نیاز علی خان نے بطور خاص مؤخر الذکر چاروں اصحاب کو دعوت دی تھی کہ وہ جمال پور۔ پٹھان کوٹ تشریف لا کر مجوزہ ادارے کی زمام کار سنبھالیں اور تعلیم و تربیت کے منصوبے کو اپنی نگرانی و رہنمائی میں عملی جامہ پہنائیں۔ سید سلیمان ندوی نے اپنی گونا گوں دینی و علمی، تعلیمی و سیاسی اور تصنیفی و تالیفی ذمہ داریوں اور مشاغل۔۔۔ سید صاحب اُس وقت دارالمصنفین، اعظم گڑھ کی نظامت کے علاوہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معتمد تعلیمات جیسی اہم ذمہ داریوں کو سنبھالے ہوئے تھے۔۔۔ کے سبب نیاز علی خان کے تعلیمی منصوبے کی نگرانی و رہنمائی سے معذوری کا اظہار کیا۔ اس پر نیاز علی خاں نے سید صاحب سے، مجوزہ ادارے کے لیے ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے کسی فاضل یا کسی رفیق دارالمصنفین کی خدمات مانگیں اور کسی ایسے عالم دین کا نام تجویز کرنے کے لیے لکھا، جسے ادارے کی تولیت سونپی جاسکے۔ اس پر سید صاحب نے جو جوابی خط (محررہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۵ء از حیدرآباد دکن) ارسال کیا وہ ملاحظہ ہو:

مکرمی۔ السلام علیکم

والا نامہ ملا۔ میں ابھی تک یہیں (حیدرآباد دکن) ہوں اور ابھی دو ہفتے اور رہنا پڑے گا۔

۱۔ اس وقت میرے پاس ایسا زائد از ضرورت آدمی نہیں ہے جو آپ کی خواہش کے مطابق اس کام کو کرے۔ یعنی خود اپنی دھن سے کرے، تنخواہ کے لیے نہیں بلکہ فرض کے لیے یہ کام کرے۔ آپ مولانا احمد علی صاحب (۳۸) سے پوچھیے ان کے پاس علماء کا مجمع رہتا ہے، شاید وہ پتا بتا سکیں۔ اگر تلاش پر نہ ملے تب مجھے اطلاع دیجیے گا۔ ہمارے فارغ التحصیل عموماً جوان ہیں، جو کام کو محنت کریں گے مگر مُسن آدمیوں کا سارے ان میں نہ ہوگا۔

۲۔ مولانا احمد علی صاحب سے میں اچھی طرح واقف ہوں، بڑے مخلص کارکن ہیں اور تولیت کے لیے ایمانداری شرط ہے اور یہ شرط ان میں پوری طرح موجود ہے مگر کہہ نہیں سکتا کہ وہ منظور کریں گے یا نہیں۔ اس کے لیے بھی طریق انتخاب کی تعیین وقف نامہ میں کرنی ہوگی۔ کمیٹی میں ڈالنے سے بہتر شاید یہ ہوگا کہ ہر متولی اپنے بعد کے جانشین کا انتخاب بقاعدہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کرتا رہے۔

۳۔ وقف نامہ کے اغراض و مقاصد وہی ہوں جو آپ نے پہلے لکھے تھے۔ (۳۹)

سید سلیمان

۳۰ جولائی، ۳۵ء

حیدرآباد۔ توپ کا سانچہ نمبر ۴۱

مولانا ابوالکلام آزاد اس وقت تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ معرکہ کارزار سیاست میں برسرِ پیکار تھے، ان کے لیے اس وقت اس نوع کے کسی کام کو اپنے ہاتھ میں لینا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے نیاز علی خان کے ایک خط کے جواب میں لکھا:

کلکتہ،

۹ دسمبر، ۱۹۳۶ء

مکرمی - السلام علیکم

خط پہنچا، مجھے خیال ہوتا ہے کہ آپ کا ایک خط آیا تھا، جس میں آپ نے بعض انتظامات کی اطلاع دی تھی اور میں نے اس کے جواب میں لکھوا دیا تھا کہ یہ انتظامات بہتر ہیں اللہ آپ کی مساعی مشکور فرمائے۔ قرآنی ادارہ کا معاملہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے، جس کے لیے کسی مضمون کا لکھ دینا یا کسی نقشہ نصاب کا بنادینا مفید ہو سکے گا۔ قرآن کے لیے نصابِ تعلیم بجز قرآن کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اصل سوال اشخاص کا ہے اور اس روح تربیت کا جو کسی حلقہ میں پیدا کی جائے، یہ بغیر اس کے حل نہیں ہو سکتا کہ کارواں اشخاص ہر وقت انصرا مامور میں مدد دیں، اگر اس بارے میں آپ بروقت میرے مشورہ کے طالب ہوں گے تو جو کچھ مشورہ دے سکتا ہوں اس میں حتی الوسع کوتاہی نہیں کروں گا۔

اس قسم کے اداروں کا مجھ سے بڑھ کر استقبال کرنے والا کوئی نہ ہوگا، لیکن زمانہ کی حالت ایسی ہو رہی ہے کہ میں خود اپنی جانب سے پیش قدمی کا قصد نہیں کر سکتا، کوئی طالب امتیاز کے ساتھ بڑھتا ہے تو خود بھی بڑھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی مشکور فرمائے۔ کام کیے جائیں اور جب نفاذِ کار کا وقت آئے تو تعین کے ساتھ مرتب کار کی نسبت اطلاع دیجیے۔ میں جو کچھ مشورہ دے سکتا ہوں ضرور دوں گا۔ (۴۰)

والسلام

ابوالکلام

مولانا محمد اشرف علی تھانوی، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ مقتدر و ممتاز علما کی طرف سے دارالاسلام کے تعلیمی منصوبہ کے انتظام و انصرام میں سرگرم شرکت سے معذرت کے باوجود نیاز علی خان نے بڑی استقامت سے دوسرے اصحاب علم و فضل سے اس منصوبہ کے بارے میں مشاورت کا سلسلہ جاری

رکھا۔ چنانچہ نیاز علی خان کا جن اہل علم و نظر سے اس سلسلے میں رابطہ استوار ہوا ان میں علامہ محمد اقبال، سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) اور محمد اسد ایسے تھے کہ جنہوں نے اس منصوبے کی ترتیب و تشکیل کے علاوہ اسے عملی جامہ پہنانے میں سرگرم تعاون کیا۔

نیاز علی خان نے اگست ۱۹۳۵ء (جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ) میں سید مودودی سے مراسلت کا آغاز کیا۔ انہوں نے اپنے خطوط میں قرآن مجید کی تعلیم کی غرض سے ایک ادارہ کے قیام سے متعلق اپنے عزائم کا اظہار کیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اس ادارہ کے متعلق ایک مفصل دستور العمل (مقاصد اور اصول و طریق کار) مرتب فرمائیں۔ ساتھ ہی انہیں جمال پور۔ پٹھان کوٹ چلے آنے اور اسے اپنی تصنیفی و تالیفی اور اشاعتی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کی دعوت بڑے زور شور سے دی۔ سید مودودی نے اپنے خطوط میں شرح و بسط سے ادارہ دارالاسلام سے متعلق اپنی آراء و تجاویز سے آگاہ کیا اور اس کے مقاصد اور اصول و طریق کار کی وضاحت کی (۴۱)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ادارہ دارالاسلام کے بارے میں جو آرا اور تجاویز پیش کیں ان کا لب لباب حسب ذیل ہے:

- ۱- ادارہ کے ارکان تمام ایسے لوگ ہوں جو انگریزی یا عربی درسگاہوں کے تعلیم سے فارغ ہو چکے ہوں یا جن کے علمی استعداد اولیٰ درجہ کی ہو۔ نیز ان میں کوئی ذہانت، کوئی اچھا، کوئی جو ہر مخفی پایا جاتا ہو۔
- ۲- ادارہ میں باقاعدہ درس و تدریس کی ضرورت نہیں، عربی جاننے والے ارکان فرداً فرداً انگریزی جاننے والوں کو عربی اور علوم اسلامیہ پڑھائیں اور اسی طرح انگریزی تعلیم یافتہ حضرات عربی والوں کو انگریزی زبان اور علوم جدیدہ کی تعلیم دیں۔ ایک وقت ایسا ہونا چاہیے جس میں شیخ قرآن کا درس دے۔ یہ ایسا جامع درس ہونا چاہیے کہ اس ضمن میں حدیث، فقہ، حکمت اسلامیہ، اصول شرع، فلسفہ تاریخ اسلامی، غرض دنیا بھر کے مباحث و مسائل آسکتے ہیں۔ درس قرآن کے بعد تمام ارکان کو مطالعہ اور تحقیق میں مشغول ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں چار شعبے۔ فقہ، معاشیات، علوم عمران، فلسفہ اور نظری سائنس خاص طور پر توجہ کے محتاج ہیں۔ یہ سب علمی و تحقیقی کام اس بنیادی نظریہ کے ساتھ کیا جائے کہ قرآن اور سنت ہی علم کا منبع ہے۔ ادارہ کے تعلیم و تربیت سے جب ایک جماعت پوری طرح تیار ہو جائے تو اشاعت کا کام، تین زبانوں۔ عربی، انگریزی اور اردو میں۔ شروع کیا جائے۔ اس وقت علماء کے شور و غل مچانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ یہ لوگ ۶ سو برس پہلے کی دنیا میں رہتے ہیں۔ ایسے موقع پر صرف ماڈرن علماء ہی کام آسکیں گے۔ وہ اس زمانہ کی زبان میں اسلامی زبان میں اسلامی قوانین کی صحیح تعبیر پیش کریں گے اور قانون سازوں کو بتائیں گے کہ سوشل ریفارم کی صحیح صورت کیا ہے اور غلط صورت کیا ہے۔ (۴۲)

۳۔ ہم خالص قرآن کی بنیاد پر اسلام کی نشأت ثانیہ چاہتے ہیں، ہمارا راستہ متاخرین مقلدین اور جدیدیت پسند متفرنجین دونوں سے الگ ہے۔ ہمیں ایک طرف روح قرآنی کو ٹھیک ٹھیک اپنے اندر جذب کرنا اور اپنی قوت فکر و نظر کو اصول اسلامی سے پوری طرح متحد کرنا ہے۔ دوسری طرف علم کی ان ترقیوں اور احوال کے ان تغیرات کا پورا پورا جائزہ لینا ہے جو گزشتہ سات آٹھ سو برس کی مدت میں ہوئی ہیں اور تیسری طرف صحیح اسلامی طریق پر افکار و معلومات کو مرتب اور قوانین کو مدون کرنا ہے تاکہ اسلام پھر سے بالفعل ایک حرکی قوت بن جائے اور دنیا میں مقتدی بننے کے بجائے مقتدی اور امام بن کر رہے۔ (۴۳)

سید مودودی نے ادارہ دار الاسلام کے جو اصول و مقاصد متعین کیے تھے ان کے پیش نظر وہ اس ادارہ کے لیے کسی روایتی عالم دین خصوصاً دارالعلوم دیوبند کے حلقہ میں سے کسی مقتدر عالم (مولانا محمد اشرف علی تھانوی وغیرہ) کے بطور شیخ و سرپرست تقرر کو موزوں خیال نہ کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے نیاز علی خان کے نام ایک خط میں لکھا:

”جناب مولانا اشرف علی تھانوی کے پاس ضرور تشریف لے جائیے اور ان سے مشورہ و امداد لیجیے، مگر مجھے امید نہیں کہ اس ادارہ کی رہنمائی کے لیے اس حلقہ سے کوئی موزوں آدمی مل سکے گا۔ ہم جس راستہ پر چلنا چاہتے ہیں اس میں علماء کا گروہ چند قدم سے زیادہ ہمارے ساتھ بھی نہیں چل سکتا کجا کہ وہ ہماری رہنمائی کرے۔ تاہم ان کا کوآپریشن حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔“ (۴۴) ”مولانا اشرف علی تھانوی جن کا شمار ہندوستان کے بہترین علماء میں ہوتا ہے۔ ان حضرات سے استفادہ کرنا اور ان کی ہدایات سے روشنی حاصل کرنا ضروری ہے لیکن جس راستے پر ہم جانا چاہتے ہیں اس میں یہ حضرات ہماری پیشوائی اور قیادت نہ کر سکیں گے، بلکہ ہمارے ساتھ بھی نہ چل سکیں گے۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنا دامن ماضی سے اس قدر باندھ لیا ہے کہ حال اور مستقبل سے عملاً بالکل بے تعلق ہو گئے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی ہماری پیشوائی نہیں کر سکتے جو تجدید کے زور میں کتاب و سنت کی صراط مستقیم اور سلف صالح کے طریقہ سے ہٹ گئے ہیں اور اعتدال پر قائم نہیں رہے۔“ (۴۵)

ادارہ دار الاسلام کی تنظیم و تاسیس کا سید مودودی کے علاوہ جس شخصیت نے بھرپور خیر مقدم کیا وہ آسٹروی نو مسلم محمد اسد (۱۹۰۰-۱۹۹۲ء) تھے جو عربستان - نجد و حجاز - میں ۶ سالہ قیام اور مصر، شام، ترکی، عراق، ایران اور افغانستان وغیرہ مسلم ممالک کی طویل سیر و سیاحت کے بعد ۱۹۳۲ء، کے موسم گرما میں ہندوستان میں وارد ہوئے تھے۔ محمد اسد کو ہندوستان وارد ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ سنجیدہ علمی و فکری حلقوں میں انہیں بڑی قدر و منزلت

حاصل ہوگئی۔ خصوصاً مغربی تہذیب و تمدن کی تنقید و تردید اور دفاع حدیث و سنت میں ان کی معرکہ الآراء تصنیف (Islam at the Crossroads) کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔ علامہ محمد اقبال اور سید سلیمان ندوی جیسے مشاہیر امت نے ان کی اس تصنیف کو قدر و تحسین کی نگاہ سے دیکھا تھا (۴۶)۔ علامہ محمد اقبال اس نو مسلم کے فہم و تصور اسلام کے مداح تھے۔ علامہ موصوف ہی کے ایماء پر ۱۹۳۴ء میں ان (اسد) کا اسلامیہ کالج میں بطور پروفیسر و ڈین نظارت دینیہ تقرر عمل میں آیا البتہ بعض دیگر اہم دینی و علمی مشاغل کے سبب وہ بالفعل یہ منصب سنبھالنے سے قاصر رہے۔ (۴۷)

نیاز علی خان نے نومبر ۱۹۳۵ء میں محمد اسد کو (جب کہ وہ سرینگر۔ کشمیر میں بخاری شریف کے ترجمہ و تشریح اور اس کی طباعت و اشاعت میں مشغول تھے) ایک خط لکھا جس میں ان سے تعلیم و تربیت کے اس منصوبے کے بارے میں مشورہ اور عملی تعاون طلب کیا۔ اسد نے جواباً مجوزہ منصوبے کو سراہا، اسے جدید مغربی تعلیم کے پھیلانے ہوئے زہر کے لیے ایک تریاق قرار دیا، نصاب و نظام تربیت کے بارے میں بعض تجاویز پیش کیں اور اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تعاون و اشتراک عمل پر آمادگی جوش و جذبے کے ساتھ ظاہر کی۔ محمد اسد کے مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اس نوع کے تعلیمی ادارے کے قیام کا ارادہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ادارہ دارالاسلام کے تعلیمی منصوبے کی تجویز کے متعلق چودھری نیاز علی خان کے نام ایک خط میں لکھا:

”واقعاً گزشتہ کئی سالوں سے میرے ذہن میں بھی یہ خیال تھا کہ میں دینی تعلیم کا کوئی ایسا ہی ادارہ قائم کروں جیسا کہ آپ نے تجویز کیا ہے۔ ہمارے پڑھے لکھے نوجوانوں میں مذہبی معتقدات منہدم ہو رہے ہیں اور اس بات کی ضرورت ہے کہ جدید لادینی تعلیم کے فاسد اثرات کا فوری طور پر ازالہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہمارے روایتی قدامت پسند علماء ہماری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ یہ علماء اسلام کے ظاہری مذہبی رسوم سے تمسک رکھتے ہیں اور اسلام کے اخلاقی اور روحانی تقاضوں کی طرف توجہ نہیں فرماتے۔ میرا خیال ایک ایسا تعلیمی ادارہ قائم کرنے کا ہے جس میں مسلم نوجوان نہ صرف قرآن اور حدیث کے علوم حاصل کر سکیں۔ مختصر اس ادارے کا کام اس مسلم دنیا کے لیے دینی و روحانی قیادت کی تعلیم و تربیت ہونا چاہیے۔ میں آپ کی اس آرزو کی قدر کرتا ہوں کہ مجوزہ ادارہ قدیم طرز کے مدرسوں کی طرح ہونا چاہیے، کیونکہ ان مدرسوں کا ماحول روایتی قدروں کا تحفظ کرتا ہے اور جدید لادینی نظام تعلیم کے پھلتے ہوئے زہر کا تریاق مہیا کرتا ہے۔ بہر حال آپ کا تعلیمی منصوبہ اس کام سے

مطابقت رکھتا ہے جو میں اس وقت کر رہا ہوں (ترجمہ و شرح صحیح بخاری)۔ حقیقتاً یہ دونوں کام ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے۔ چنانچہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ کا منصوبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کا پیغام ہے جس کے ذریعے سے میرا دیرینہ خواب عملی شکل اختیار کر لے گا۔

جناب خان صاحب مجھے آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس اہم کام کے لیے میں آپ کی فراخ دلانہ مساعی کا معترف ہوں۔ اگر یہ ادارہ جاری ہو جائے اور ایک کارآمد ادارہ بن جائے جس کے متعلق مجھے ذرا بھی شک نہیں ہے تو مسلمان آبادی کے ایک خاطر خواہ حصے کو اس کی طرف مائل کرنا کچھ مشکل نہ ہوگا، اور پھر ہم بتدریج اس کی توسیع کر سکیں گے حتیٰ کہ یہ اسلامی اکادمی مسلم ہندوستان کے لیے ایک قابل فخر ادارہ بن جائے۔“ (۴۸)

نیاز علی خان کی دعوت و تحریک پر محمد اسد نے ادارہ دار الاسلام کی تنظیم و تاسیس کے سلسلہ میں نیاز علی خان کا شریک کار بننے کا اصولی فیصلہ کر لیا (۴۹)۔ نیاز علی خان نے سید مودودی کے نام ایک خط (محررہ ۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء) میں لکھا:

”میں نے اپنے ایک مجوزہ ادارے کے لیے جناب سے مشورہ کیا تھا، اب میں اراضی وقف پر مکانات تعمیر کر رہا ہوں اور اس ادارہ کے متعلق چند بزرگوں سے بات چیت کی ہے..... مولانا محمد اسد، جرمن نو مسلم، جو حیدرآباد کی طرف سے رسالہ ”مسلم کلچر“ (کذا) اسلامک کلچر کے ایڈیٹر مقرر ہوئے ہیں، انہوں نے میرا شریک کار ہونا منظور کر لیا ہے۔ میں نے ان سے ذکر کیا تھا۔ ان کو بھی جناب کی ذات والا صفات سے بہت عقیدت ہے۔“ (۵۰)

سید مودودی کو مجوزہ منصوبے میں محمد اسد کی گہری دلچسپی اور عملی تعاون پر آمادگی کا علم ہوا تو انہوں نے اس پر گہرے اطمینان اور خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور ایک خط بنام نیاز علی خان (محررہ ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ/ ۳ دسمبر ۱۹۳۶ء) میں لکھا:

”جناب محمد اسد صاحب سے حیدرآباد میں ایک مرتبہ چکا ہوں۔ ان کی کتاب "Islam at the Crossroads" اور ترجمہ بخاری دونوں میری نظر سے گزری ہیں۔ میرا خیال ہے کہ دور جدید میں اسلام کو جتنے غنائم یورپ سے ملے ہیں ان میں سے یہ سب سے زیادہ قیمتی ہیرا ہے۔ اسلام کی اسپرٹ اس میں پوری طرح حلول کر گئی ہے۔ اور اسلام کو اس نے ان علماء سے زیادہ اچھی طرح سمجھا ہے، جو پچاس برس سے درس و تدریس میں مشغول ہیں۔ اگر یہ شخص آپ کے ادارہ کے لیے مل گیا ہے تو میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں اور نہایت خوش قسمت سمجھتا

ہوں۔ اب امید ہے کہ یہ تخیل ضرور پھل پھول لائے گا۔ (۵۱)

محمد اسد نے نیاز علی خان کی دعوت و تحریک پر ۱۹۳۶-۱۹۳۷ء کے دوران میں، خصوصاً ۱۹۳۶ میں سری نگر سے لاہور منتقل ہونے کے بعد، متعدد بار جمال پور کا دورہ بھی کیا۔ محمد اسد جمال پور۔ پٹھان کوٹ اور لاہور میں نیاز علی خان کے ساتھ ادارہ دارالاسلام کے تعلیمی منصوبے کو عملی شکل دینے کے لیے مشاورت کرتے رہے۔ نیاز علی خان کے نام اسد کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جمال پور (پٹھان کوٹ)، میں مستقل طور پر سکونت اختیار کرنا چاہتے تھے اور اس غرض سے وہاں رہائش اور مطبع کے لیے ایک قطعہ زمین خرید کر وہاں ضروری عمارات تعمیر کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی مالی مشکلات آڑے آتی رہیں چنانچہ وہ جمال پور منتقل نہ ہو سکے۔ (۵۲)

محمد اسد اس تعلیمی و تربیتی منصوبے کی جزئیات و تفصیلات کے متعلق غور و فکر کے ساتھ ساتھ اس کے لیے علامہ محمد اقبال کے تعاون و سرپرستی کے حصول کے لیے بھی برابر کوشاں رہے۔ محمد اسد چودھری نیاز علی خان کے نام ایک خط (محررہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۶ء، از ماڈل ٹاؤن، لاہور) میں لکھتے ہیں:

”جیسا کہ میں آپ کو آگاہ کر چکا ہوں کہ میں مدرسہ کے اجراء سے متعلق آپ کی اس تجویز سے متفق ہوں کہ وہ مولویوں کے روایتی مدرسوں سے مختلف ہوگا۔۔۔ روایتی علماء عموماً علمی لحاظ سے نہایت پسماندہ اور دنیا کے معاملات سے بے خبر ہوتے ہیں، چنانچہ وہ نئی نسل میں اسلام کی تبلیغ و ترویج کے کام کو فائدہ نہیں بلکہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ میں آپ کو پر زور مشورہ دوں گا کہ آپ روایتی علماء کے طبقہ اور ان کے طریق کار سے دور رہیں اور اپنے لیے ایک علیحدہ طریقہ کار تجویز کریں۔۔۔ ان دنوں میں آپ کے مدرسہ کی تعلیمی اسکیم کے متعلق سوچ رہا ہوں اور میرے خیال میں میرے ذہن میں مفید تجاویز ہیں جو آپ کو آئندہ ملاقات پر پیش کروں گا۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ ڈاکٹر محمد اقبال بھی آپ کی تعلیم اسکیم میں دلچسپی لیں۔ ان کا آپ کے تعلیمی منصوبہ میں عملی تعاون و اشتراک بہت مفید ثابت ہوگا۔ (۵۳)

اسد کی کوششوں کی بدولت علامہ اقبال دارالاسلام کے تعلیمی منصوبے میں دلچسپی لینے لگے تھے۔ نیاز علی خان بنام سید مودودی (محررہ ۸ مارچ ۱۹۳۷ء) رقم طراز ہیں:

”علامہ عبد اللہ یوسف علی صاحب میری تحریک پر یہاں تشریف لائے تھے۔ میں یہ بات دہراتا ہوں کہ یہ ادارہ خالص قرآن کی تعلیم کے لیے مخصوص ہوگا۔ اگرچہ اس سلسلہ میں اراکین ادارہ کی علییت کے مطابق سبھی کچھ آجائے گا مگر اصل غرض تعلیم قرآن ہی کی ہوگی۔“

مولانا اسد یہاں (جمال پور، پٹھان کوٹ) آ کر کئی روز قیام کر گئے ہیں وہ یہاں اپنا گھر بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور اس ادارہ کو اپنی تالیف و تصانیف سے جو وقت بچے، دینے کے لیے آمادہ ہیں۔ مگر ابھی تک وہ مالی معاملات سے متعلق پریشان ہیں۔ علامہ محمد اقبال میری اس تجویز (منصوبے) سے بہت دلچسپی لے رہے ہیں۔ بلکہ ان کے خیالات تو بہت بلند ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس ادارہ کو ان شاء اللہ ایسا بنائیں گے کہ اس کا اثر یورپ تک پہنچے گا۔“ (۵۴)

اس دوران میں (۱۹۳۶-۱۹۳۷ء) محمد اسد انفرادی طور پر بھی اور نیاز علی خان کی معیت میں بھی علامہ اقبال سے ملاقاتیں کرتے رہے اور ان سے ادارہ دار الاسلام کے بارے میں رہنمائی اور مشورہ لیتے رہے (۵۵) علامہ نے چودھری نیاز علی خان کے تجویز کردہ ادارے کو وقت کی اہم ضرورت خیال کرتے ہوئے اس کے قیام کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ علامہ نیاز علی خان کے نام ایک خط (محررہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۷ء) میں رقم طراز ہیں:

”آپ کا خط ابھی ملا، آپ ضرور تشریف لائیں، میں آپ سے ادارہ کے متعلق گفتگو کروں گا۔ اسلام کے لیے اس ملک میں نازک زمانہ آرہا ہے۔ جن لوگوں کو احساس ہے ان کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش اس ملک میں کریں۔ ان شاء اللہ آپ کا ادارہ اس مقصد کو باحسن وجوہ پورا کرے گا۔ علماء میں مدافعت آگئی ہے، یہ گروہ حق کہنے سے ڈرتا ہے۔ صوفیا اسلام سے بے پروا اور احکام کے تصرف میں ہیں۔ اخبار نویس اور آج کل کے تعلیم یافتہ لیڈر خود غرض ہیں اور ذاتی منفعت و عزت کے سوا کوئی مقصد ان کی زندگی کا نہیں ہے۔ عوام میں جذبہ موجود ہے مگر ان کا کوئی بے غرض راہنما نہیں ہے“ (۵۵ ب)

ایسی ہی ایک ملاقات (۱۹۳۷ء) میں علامہ نے مجوزہ ادارے کو روایتی طرز کا ایک دینی مدرسہ بنانے کے بجائے اسے ایک اعلیٰ پائے کا علمی و تحقیقی ادارہ، جہاں علوم دینیہ و علوم جدیدہ کے ماہرین فقہ و قانون اسلامی کی تدوین جدید جیسا اہم ترین وظیفہ انجام دے سکیں، بنانے کا مشورہ دیا تھا۔ علامہ نے اس اہم کام کی نگرانی اور رہنمائی کے لیے محمد اسد اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نام تجویز کیے تھے۔ سید نذیر نیازی نے اس ملاقات کی روئداد بیان کی ہے۔ ذیل میں اس روئداد کا کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے:

”چودھری نیاز علی صاحب جاوید منزل (میوروڈ، لاہور) تشریف لائے۔ علامہ محمد اسد (سابق لیوپولڈ ویس) بھی ان کے ساتھ تھے۔ چودھری صاحب نے علامہ اقبال کی مزاج پرسی کے بعد عرض کیا کہ انھوں نے قلعہ جمال پور میں ایک وقف دار الاسلام کے نام سے قائم کیا ہے

تاکہ وہاں مسلمانوں کی اصلاح و تربیت اور دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ ان کی خواہش تھی کہ حضرت علامہ اس کام میں ان کی رہنمائی فرمائیں اور جیسا ان کا مشورہ ہو اس کے مطابق بعض علمائے دین کو دارالاسلام آنے کی دعوت دی جائے۔ حضرت علامہ نے فرمایا: ”دینی مدارس کی تو کوئی کمی نہیں، بہتر ہوگا چودھری صاحب اس وقت اس سے کوئی اور کام لیں۔“ چودھری صاحب نے عرض کیا آپ ہی فرمائیے اس وقف سے کیا کام لینا چاہیے۔ حضرت علامہ نے فرمایا: ”میرے نزدیک اس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت فقہ اسلامی کی تشکیل جدید ہے۔ بحالت موجود ہم روز بروز اسلام سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اس کی وجہ ہیں وہ سیاسی و اجتماعی مسائل جنہوں نے موجودہ زمانے میں ایک خاص شکل اختیار کر لی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء ان مسائل کو سمجھیں اور حالات کو اسلامی شرائع کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔“ اس پر سوال پیدا ہوا کہ اکابر علماء کا تو ’دارالاسلام‘ آنا محال نظر آتا ہے، وہ اپنے اپنے مراکز میں بیٹھے دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حضرت علامہ نے کہا: ”یہ ٹھیک ہے مگر اس کے باوجود ملک میں ایسے پڑھے لکھے نوجوانوں کی کمی نہیں جن کے دل میں اسلام کا درد ہے اور جو حالات حاضرہ سے بھی بخوبی واقفیت رکھتے ہیں۔ ان میں نئے اور پرانے تعلیم یافتہ سبھی شامل ہیں۔ ضرورت ان کو جمع کرنے کی ہے۔“ پھر حضرت علامہ نے محمد اسد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چودھری نیاز علی صاحب سے کہا: ”دیکھیے! یہ آپ کے سامنے بیٹھے ہیں، کیوں نہ یہ اس کام کو ہاتھ میں لیں۔“ (۵۶)

محمد اسد اور نیاز علی خان کے ساتھ ان ملاقاتوں میں علامہ اقبال نے مجوزہ ادارہ میں عربی کی اعلیٰ تعلیم اور جدید اسلامی افکار و خیالات کی ترویج و اشاعت کے لیے جامعہ ازہر، قاہرہ سے چند ایک علماء کی خدمات کے حصول کا بھی مشورہ دیا تھا۔ (۵۷) چنانچہ ان (علامہ) کے مشورے اور ہدایت پر شیخ الازہر علامہ مصطفیٰ المراغی (۱۸۸۱ء-۱۹۴۵ء) کے نام (۵۸) علامہ اقبال کی طرف سے خط کا مسودہ سید ابوالاعلیٰ مودودی سے تیار کرایا گیا۔ جسے عربی میں منتقل کر کے ارسال (۱۵/ اگست ۱۹۳۷ء) کیا گیا۔ (۵۹) خط میں مجوزہ ادارے کی رہنمائی اور وہاں جمع ہونے والے علوم جدیدہ کے فارغ التحصیل حضرات اور علوم دینیہ کے ماہرین کو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے واقف کرانے اور فکر اسلامی کی تشکیل نو میں ان کی رہنمائی و مدد کے لیے ایک روشن خیال ازہری عالم کو، جو علوم شرعیہ اور تاریخ و تمدن اسلامی میں ماہر ہو نیز زبان انگریزی پر بھی قدرت کاملہ رکھتا ہو، بھیجنے کی (جامعہ ازہر کے

خرچ پر) درخواست کی گئی۔ (۶۰) شیخ الازہر نے علامہ محمد اقبال اور ان کے رفقاء کی مساعی کی تعریف کی اور ساتھ ہی مطلوبہ صفات و خصوصیات کے حامل ازہری عالم کو روانہ کرنے سے معذوری ظاہر کی کہ اس وقت علمائے ازہر میں سے انگریزی زبان پر قدرت رکھنے والا کوئی شخص موجود نہ تھا۔ (۶۱) دریں حالات مجوزہ منصوبے کو عملی شکل دینے کے عمل کا آغاز ہوا۔ علامہ اقبال نے محمد اسد، سید محمد شاہ (۶۲) اور سید مودودی کو، جو اس وقت حیدر آباد میں مقیم تھے، ادارہ کا تعارف نامہ (پراسپیکٹس) تحریر کرنے کے لیے مقرر کیا۔ نیاز علی خان بنام سید مودودی (محررہ ۸ اگست ۱۹۳۷ء) لکھتے ہیں:

”۳ تاریخ (۳، اگست ۱۹۳۷) کو حضرت علامہ سر محمد اقبال کے مکان پر ان کی صدارت میں یہاں کے ادارہ کے متعلق مجلس مشاورت منعقد ہوئی۔ جرمن نو مسلم علامہ محمد اسد اور سید محمد شاہ کے علاوہ تین چار اور بھی احباب موجود تھے۔ مفصل کارروائی سید محمد شاہ نے نوٹ کر لی تھی۔ جامعہ ازہر کی چٹھی بعد مناسب ترمیم لکھوا کر بھیج دی گئی ہے اور مولانا اسد، سید محمد شاہ اور جناب کو ادارہ کا پراسپیکٹس تحریر کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔“ (۶۳)

ساتھ ہی نیاز علی خان کی طرف سے سید مودودی کو حیدر آباد سے جمال پور۔ پٹھان کوٹ، چلے آنے کی دعوت دی گئی۔ نیاز علی خان اور سید مودودی کے مابین مراسلت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسد بھی انھیں (سید مودودی کو) دارالاسلام منتقلی کے لیے تحریک کرتے رہے۔ (۶۴) چنانچہ ان دونوں (نیاز علی خان اور محمد اسد) کی دعوت پر سید مودودی اکتوبر ۱۹۳۷ء کو حیدر آباد سے جمال پور آئے، جہاں دارالاسلام کی تعلیمی اسکیم کے بارے میں تفصیلی غور و خوض ہوا۔ جس کے بعد یہ تینوں حضرات منصوبہ کو حتمی شکل دینے کے لیے علامہ اقبال کی خدمت میں لاہور حاضر ہوئے۔ (۶۵) لاہور میں تین روز تک علامہ سے ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران میں تینوں حضرات کا (حضرت علامہ کے اس خیال سے متعلق) اتفاق رائے تھا کہ اسلامی قانون کی تدوین جدید ہونا چاہیے اور چند مستعد نوجوانوں کو اس کام کے لیے تربیت دی جائے۔ (۶۶) باہمی مشاورت سے مجوزہ ادارہ کا نام ”دارالاسلام“ تجویز ہوا۔ جس کے اغراض و مقاصد علامہ اقبال کے اپنے الفاظ میں طے پائے۔ (۶۷)

دسمبر ۱۹۳۷ء کو ادارہ دارالاسلام، باضابطہ طور پر رجسٹرڈ کرایا گیا۔ ۶ رکنی وقف کمیٹی دارالاسلام میں محمد اسد کا نام بھی شامل کیا گیا۔ (۶۸) مارچ ۱۹۳۸ء میں سید مودودی حیدر آباد دکن سے دارالاسلام منتقل ہوئے۔ (۶۹) ۱۴ صفر ۱۳۵۷ھ/۱۶ اپریل کو جمال پور میں دارالاسلام وقف کمیٹی کے اجلاس میں، جس میں محمد اسد بھی شریک ہوئے، سید مودودی نے وقف دارالاسلام کے اغراض و مقاصد کی تشریح کی، اس کے طریق کار کے بارے میں تجاویز پیش

کیس اور نظام نامہ دارالاسلام کا خاکہ پیش کیا۔ (۷۰) جس کی نقلیں ملک کے چالیس ایسے ممتاز اہل علم و نظر، جنہوں نے گزشتہ دو ایک سال کے دوران میں دارالاسلام کی تجویز کے ساتھ خاص طور پر دلچسپی کا اظہار کیا تھا، بھیجی گئیں اور انہیں مجوزہ ادارے کے صدر مقام جمال پور (پٹھان کوٹ) میں تشریف لا کر ادارہ کے دستور العمل کو حتمی شکل دینے کے لیے، مجلس مشاورت میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی۔ (۷۱) اسی اثناء میں ڈاکٹر محمد اقبال کا سانحہ ارتحال پیش آیا (۲۱، اپریل ۱۹۳۸ء) اور دارالاسلام اپنے مربی و سرپرست سے محروم ہو گیا۔ تقریباً عرصہ چھ ماہ بعد مجلس مشاورت کے اجلاس منعقدہ ۱۷-۱۹ شعبان ۱۳۵۷ھ/۱۲-۱۴، اکتوبر ۱۹۳۸ء میں دارالاسلام کی باضابطہ طور پر تاسیس عمل میں آئی (۱۹ شعبان ۱۳۵۷ھ/۱۴، اکتوبر ۱۹۳۸ء) محمد اسد اس اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔ بایں ہمہ دارالاسلام نے سید ابوالاعلیٰ مودودی کی رہبری و رہنمائی میں اپنے عملی سفر کا آغاز کیا۔ (۷۲) لیکن جلد ہی چوہدری نیاز علی خان سے بعض پالیسی امور میں اختلاف و نزاع کے پیدا ہو جانے پر سید ابوالاعلیٰ مودودی ۱۹۳۹ء کو لاہور چلے آئے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی جماعت اسلامی کے قیام (۱۹۴۱ء) کے بعد ۱۹۴۲ء میں چوہدری صاحب سے مصالحت پر ایک بار پھر پٹھان کوٹ چلے گئے اور دارالاسلام کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لی۔ تاہم اب ان کی زیادہ تر توجہ جماعت اسلامی کی تنظیم اور اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے صالح افراد کی تعلیم و تربیت، تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت جیسے امور پر مرکوز رہی۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد سید مودودی اپنے رفقاء کے ساتھ لاہور چلے آئے جبکہ دارالاسلام جوہر آباد-خوشاب (پنجاب، پاکستان) میں منتقل ہو گیا۔ چوہدری نیاز علی خان کی مخلصانہ مساعی کے باوجود یہ ادارہ اکابر علماء کی توجہ حاصل نہ کر سکا۔ چنانچہ جوہر آباد میں ایک بورڈنگ ہاؤس کے قیام کے علاوہ دینی تعلیم کے لیے ایک معمولی مدرسے کا اجراء تو عمل میں آیا البتہ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں قرآن حکیم کی تعلیم کی اشاعت اور علوم دینیہ و علوم جدیدہ کے ماہرین کی تیاری کا خواب حقیقت کا روپ نہ اختیار کر سکا۔ (۷۳)

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا جا چکا ہے محمد اسد شروع ہی سے دارالاسلام کی تعلیمی اسکیم کے پر جوش حامی تھے اور وہ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پوری طرح سے سرگرم عمل رہے۔ اس غرض سے انہوں نے متعدد بار جمال پور میں قیام کیا۔ (۷۴) انہوں نے دارالاسلام میں مستقل سکونت اختیار کرنے کا منصوبہ بھی بنایا تھا، تاہم راہ میں بعض رکاوٹیں آڑے آتی رہیں اور وہ وہاں منتقل نہ ہو سکے۔ ان میں اہم تر مجملہ ”اسلامک کلچر“ کی ادارت اور طباعت و اشاعت کی ذمہ داری تھی۔ اسد کو مالی مشکلات کا بھی سامنا تھا جس کی بدولت وہ حسب منشا مکان کی تعمیر اور دیگر لوازمات کی فراہمی سے قاصر تھے۔ برعظیم میں آمد کے بعد سنجیدہ علمی و فکری سرگرمیوں میں انہماک و اشتغال کی وجہ سے یورپی اخبارات و رسائل کے لیے مراسلہ نگاری کا سلسلہ موقوف ہو چکا تھا اور اب ان کی آمدنی کا کوئی

مستقل ذریعہ باقی نہ رہا تھا۔ بخاری شریف کے ترجمہ و شرح کی اشاعت پر بھی کثیر مصارف اٹھ رہے تھے، چنانچہ وہ کامل یکسوئی کے ساتھ دارالاسلام کے ساتھ وابستہ نہ رہ سکے۔ اسد کو یہ تمام مشکلات و مسائل دارالاسلام کی تعلیمی اسکیم سے ربط و ضبط سے باز نہ رکھ سکتی تھیں اگر بعض دیگر اہم حوادث زمانہ جن کا تذکرہ آئندہ سطور میں آ رہا ہے، پیش نہ آئے ہوتے۔ بہر حال عوامل خواہ کچھ بھی کیوں نہ رہے ہوں، علامہ اقبال کی وفات اور اسد کی دارالاسلام کے منصوبے سے عملی جدوجہد کے سبب اس عظیم تعلیمی اور علمی و فکری منصوبے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ دارالاسلام کے بانیوں نے ایک مقتدر و ممتاز درس گاہ کے قیام سے متعلق جو نقشہ ترتیب دیا تھا وہ بروئے کار نہ لایا جاسکا۔ یوں فکر اسلامی (فقہ و علم کلام) کی تشکیل و تدوین نو کی غرض سے قدیم و جدید علوم میں اعلیٰ پائے کے ماہرین کی تیاری کی غرض سے ایک اسلامی یونیورسٹی کا جو خیال حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال نے پیش کیا تھا وہ برگ و بار نہ لاسکا۔

خلاصہ بحث:

نیاز علی خان کی دارالاسلام کی تعلیمی و تربیتی اسکیم سے علامہ محمد اقبال، محمد اسد اور سید مودودی کی گہری دلچسپی اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تینوں کے مابین باہمی تعاون و اشتراک عمل، دراصل ان تینوں کے مابین جدید دنیائے اسلام کو درپیش مسائل و مشکلات کے اسباب و محرکات کی تشخیص اور احیائے اسلام کے لئے عمل کی ترتیب و تشکیل میں فکری و نظری ہم آہنگی کا غماز تھا۔ عالم اسلام کے یہ تینوں مفکر مسلم ممالک میں انیسویں صدی کے وسط سے جاری تجدید و مغربیت (Westernization) بالخصوص تعلیم، قانون اور تہذیب و معاشرت کے میدانوں میں مغرب کی اندھی تقلید کو ملت اسلامیہ کے دینی و ملی تشخص کے از حد منافی خیال کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ مسلم دنیا میں صدیوں سے جاری روایتی تعلیمی نظام اور فکر اسلامی (علم کلام و فقہ) کے قدیم سرمائے کو عصر جدید کے تقاضوں بالخصوص جدید مسلمان نسل کو دین اسلام پر مطمئن و قائم رکھنے اور سب سے بڑھ کر دین اسلام کو دور حاضر میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ایک پروگرام کے طور پر روبہ عمل لانے کے لیے ناکافی و ناموزوں خیال کرتے تھے۔ وہ روایتی دینی مدارس میں رائج نظام تعلیم سے بھی مطمئن نہ تھے۔ چنانچہ وہ اس نظام تعلیم کی تشکیل نو کے ساتھ ساتھ فکر اسلامی (علم کلام و فقہ) کی تشکیل جدید کو بھی از بس لازم گردانتے تھے۔ یہی چیز نیاز علی خان کے منصوبے کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے ان کے مابین تعاون و اشتراک عمل کا محرک بنی تھی۔ (۷۵)

حوالہ جات و حواشی

- (۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: خان، سر سید احمد، ۱۹۸۶ء، ”اسباب بغاوتِ ہند“، ص ۱۲۲-۱۲۵؛ قریشی، اشتیاق حسین، ”بر عظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ“، مترجم ہلال احمد زبیری، کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، ۱۹۸۷ء، ص ۲۸۶-۲۹۱؛ ہنٹر، ڈبلیو ڈبلیو، ”ہمارے ہندوستانی مسلمان“، مترجمہ صادق حسین، لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۴۶ء، ص ۲۵۱، ۲۶۱، و بموضع عدیدہ؛ علی، عبداللہ یوسف، ”انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ“، لاہور: دوست ایسوسی ایٹس، ۲۰۰۳ء، ص ۱۷۷-۱۷۸؛ سلیم، سید محمد، ”مسلمان اور مغربی تعلیم پاک و ہند میں“، لاہور: ادارہ تعلیمی تحقیق، ۱۹۸۵ء، ص ۱۷۰-۱۷۴؛ باسو، بی. ڈی. (Basu, B.D.)، ”History of Education Under the Rule of East India Company“، کلکتہ: آرچیئر جی، س۔ن، ص ۵۰-۷۱، ۱۰۵-۱۰۹؛ وہی مصنف، ”The Rise of the Christian Power in India“، کلکتہ: آرچیئر جی و سارکر اینڈ سنز ۱۹۲۳ء، ج ۵، ص ۱-۳۵؛ پاول، ایورل این (Powell, Avril Ann)، ”Muslims and Missionaries in Pre-Mutiny India“، سرے-یو. کے: کرزن پریس، ۱۹۹۳ء، ص ۷۸-۷۹، ۱۹۵-۱۹۶، ۱۹۹-۲۰۱۔
- (۲) شہابی، مولانا انتظام اللہ، ”ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء“، دہلی: دینی بک ڈپو، س۔ن، ص ۳۱؛ راہی، اختر (اگست ۱۹۹۲ء)، ”سید ناصر الدین ابوالمنصور دہلوی اور مسیحی-مسلم مناظراتی ادب“، مشمولہ ”عالم اسلام اور عیسائیت“ (اسلام آباد)، ۲: ۸، ص ۵-۸؛ دُتاسی، گارساں، ”مقالات گارساں دُتاسی“، دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۴۳ء، ص ۷۹ و بموضع عدیدہ۔
- (۳) دارالعلوم دیوبند کے قیام، اس کی تعلیمی پالیسی، نصابات اور جدید مغربی تعلیم کے بارے میں اس کے بانیوں کے خیالات و آراء کے بارے میں ملاحظہ ہو: رضوی، سید محبوب، ”تاریخ دارالعلوم دیوبند“، ۲ جلدیں لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء؛ جالندھری، رشید احمد، ۲۰۰۴ء، ”برطانوی ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم: ایک ناقدانہ جائزہ“، جلد اول ”دارالعلوم دیوبند“، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۴ء، خصوصاً باب سوئم و چہارم، ص ۱۱۵-۱۸۳۔
- (۴) تفصیل کے لیے دیکھیے: گیلانی، مناظر احسن، ”سوانح قاسمی“، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س۔ن، ج ۲؛ رضوی، سید محبوب، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء، ”تاریخ دارالعلوم دیوبند“، ۲ جلدیں۔ مزید دیکھیے:
- مٹکاف، باربرا ڈی. (Metcalf, Barbara D.)، ”Islamic Revival in British India“،

- Deoband, 1860-1900" نئی دہلی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۲ء؛ فاروقی، ضیاء الحسن، ۱۹۶۳ء،
 "The Deoband School and the Demand for Pakistan"، دہلی و بمبئی: ایشیا پبلشنگ
 ہاؤس، ۱۹۶۳ء، ص ۲۵-۳۰، ۴۲-۴۵؛ احمد، عزیز، "An Intellectual History of Islam in India"،
 ایڈنبرا: ایڈنبرا یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۹ء، ص ۵۷-۵۸۔
- (۵) دیکھیے: حالی، الطاف حسین، ۲۰۰۴ء، "حیاتِ جاوید"، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۲۰۰۴ء،
 ص ۳۸۲-۳۸۴، ۳۹۶-۳۹۹ و بموضعِ عدیدہ؛ لیلی ویلڈ، ڈیوڈ (Lelyveld, David)، "Aligarh's
 First Generation: Muslim Solidarity in British India"، لاہور: بک ٹریڈرز، ۱۹۹۱ء،
 ص ۲۰۵-۲۰۷۔
- (۶) جین، ایم ایس (Jain, M.S.)، "The Aligarh Movement: Its Origin and
 Development"، کراچی: کریم سنز، ۱۹۷۹ء، ص ۱۶۸-۱۷۰؛ لیلی ویلڈ (Lelyveld)، ۱۹۷۹ء،
 ص ۲۰۳-۲۱۰۔
- (۷) ندوی، سید ابوالحسن علی، "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش"، کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، ۱۹۸۱ء،
 ص ۱۰۱-۱۰۲۔
- (۸) ایضاً، ص ۹۳۔
- (۹) ندوی، سید ابوالحسن علی، "حیاتِ عبدالحی"، کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، س.ن، ص ۱۴۲-۱۴۳؛ الحسنی، سید محمد،
 "سیرت مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء"، کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، ۱۹۸۴ء، ص ۱۱۶-۱۱۷، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۵؛
 احمد، عزیز، ۱۹۶۹ء، ص ۵۹؛ مظاف، "Islamic Revival in British India"، ص ۳۳۸-۳۳۹۔
- (۱۰) تفصیل کے لیے دیکھیے: الحسنی، محمد، "سیرت مولانا محمد علی مونگیری"، ص ۱۱۶-۱۱۷، ۱۲۵، ۱۵۵-۱۵۹، ۱۹۴-۱۹۶ و بموضع
 کثیرہ؛ ندوی، سید ابوالحسن علی، س.ن، "حیاتِ عبدالحی"، ص ۱۴۲-۱۴۳؛ ندوی، سید سلمان حسینی، ۲۰۰۴ء، "ہمارا
 نصابِ تعلیم کیا ہوا؟"، کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲۳-۱۲۴، ۱۹۹-۲۳۳؛ احمد، عزیز، "An
 Intellectual History of Islam in India"، ص ۵۸-۵۹۔
- (۱۱) نعمانی، شبلی، "خطباتِ شبلی"، اسلام آباد و لاہور: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۹ء، ص ۸۰۔
- (۱۲) الحسنی، محمد، "سیرت مولانا محمد علی مونگیری"، ص ۱۵۵، ۱۵۸-۱۵۹۔
- (۱۳) ایضاً، ص ۱۵۷۔
- (۱۴) ایضاً، ص ۱۹۱۔
- (۱۵) مظاف (Metcalf)، "Islamic Revival in British India"، ص ۳۴۴؛ زمان، محمد قاسم، "The

"Ulama in Contemporary Islam: Custodians of Change"، کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۴ء، ص ۷۲۔

- (۱۶) ندوی، سید سلیمان حسینی، ”ہمارا نصاب تعلیم کیا ہوا؟“، ص ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۹۹-۲۳۳۔
- (۱۷) الحسنی، محمد، ”سیرت مولانا محمد علی مونگیری“، ص ۲۹۵۔
- (۱۸) ندوی، سید سلیمان، ”حیات شبلی“، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، ۲۰۰۶ء، ”دیباچہ“، ص ۱۹-۲۰، مزید دیکھیے: ص ۱۳۱۔
- (۱۹) نعمانی، شبلی، ”خطبات شبلی“، ص ۸۸-۸۹۔ دینی مدارس کے نصابات کی تدوین نو نیز دینی مدارس میں انگریزی زبان کی تعلیم و تدریس کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی کے آراء و خیالات کے جائزہ کے لیے دیکھیے: ندوی، سید سلیمان، ۲۰۰۶ء، ”دیباچہ“، ص ۱۹-۲۰، ۱۳۱ و بموضع کثیرہ؛ ضیاء الدین اصلاحی، ۲۰۰۶ء، ”مسلمانوں کی تعلیم“، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، ۲۰۰۶ء، ص ۱۳۰-۱۸۲؛ زمان، محمد قاسم، ”The Ulama in Contemporary Islam: Custodians of Change“، ص ۶۹-۷۳؛ اکرام، ۱۹۹۴ء، ”یادگار شبلی“، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۴ء، ص ۲۸۲-۳۱۳۔

- (۲۰) نعمانی، شبلی، ”خطبات شبلی“، ص ۸۶۔
- (۲۱) ندوی، سید سلیمان، ”حیات شبلی“، ”دیباچہ“، ص ۲۰-۲۱۔
- (۲۲) ندوی، سید سلیمان، ”حیات شبلی“، ص ۱۳۵۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز (Warren Hastings، ۱۷۷۲-۱۷۸۵ء) اور اُس کے جانشین کارن والیز (Cornwallies، ۱۷۸۶-۱۷۹۸ء) نے قدیم عدالتی نظام کی از سر نو تنظیم و تشکیل کی طرف خاص توجہ دی۔ چنانچہ ان دونوں کے ادوار میں فوجداری اور دیوانی کی عدالتوں کی تنظیم نو کی گئی۔ متعدد نئی عدالتیں قائم ہوئیں جن کے عہدے انگریزوں کے لیے مختص کر دیے گئے، جبکہ مسلمان قاضیوں کے دائرہ عمل کو محدود سے محدود تر کر دیا گیا۔ اب ضلعی دیوانی عدالتوں کی صدارت انگریز کلکٹر مسلمان مفتیوں اور ہندو پنڈتوں کے تعاون سے کرنے لگے۔ یہ عدالتیں مسلمانوں کے شخصی و عائلی قوانین سے متعلق مقدمات کے فیصلے شرعی قانون کے مطابق کرتی تھیں۔ کارن والیز کے دور میں اسلامی قانون سے نابلد انگریز ججوں اور قانونی افسروں کی سہولت کے لیے حنفی فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کا انگریزی میں ترجمہ کرا کے شائع کیا گیا۔ ہدایہ کا پہلے فارسی میں ترجمہ گورنر جنرل سر جان شور (Sir John Shore، ۱۷۹۷-۱۷۹۸ء) کے ایماء پر قاضی القضاۃ مولانا نجم الدین کا کوروی علوی (۱۱۵۷ھ/۱۷۴۴ء) نے کیا تھا (دیکھیے: سلیم، سید محمد، ”مغربی زبانوں کے ماہر علماء“، لاہور: ادارہ تعلیمی تحقیق، ۱۹۹۳ء، ص ۵۹-۶۰) اور پھر فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کرایا گیا۔ مستشرق جیمز اینڈرسن ہملٹن (James Anderson Hamilton) کے قلم سے یہ ترجمہ پہلی بار ۱۷۹۱ء میں شائع ہوا، اس کا عکس لاہور سے بھی شائع ہوا ہے (۱۹۵۹ء)۔ یہ ترجمہ، جو

ہدایہ کے فارسی ترجمہ پر مبنی ہے، ناقص خیال کیا جاتا ہے۔ دیکھیے: علی، عبداللہ یوسف، ”انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ“، ص ۹۱؛ میور، رمزے (Muir, Ramsay)، ۱۹۷۸ء، ص ۱۵۱-۱۵۲؛ اکرام، ایس۔ ایم، ”History of Muslim Civilization in India and Pakistan“، لاہور: سٹار بک ڈپو، ۱۹۶۱ء، ص ۲۱۰۔

(۲۳) ندوی، سید سلیمان، ”حیات ثبلی“، ص ۳۱۶۔

(۲۴) ایضاً، ص ۱۳۵۔

(۲۵) ایضاً، ص ۳۱۸۔

(۲۶) ایضاً، ص ۳۱۸-۳۲۰۔

(۲۷) مجیب، ایم، ”The Indian Muslims“، لندن: جارج ایلن اینڈ اُن وِن، ۱۹۶۷ء، ص ۵۲۲-۵۲۳۔

(۲۸) ندوی، سید سلیمان حسینی، ”ہمارا نصاب تعلیم کیا ہوا؟“، ص ۱۲۳-۱۲۴۔

(۲۹) اسرار احمد، ”اسلام اور پاکستان: تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر“، لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، ۲۰۰۵ء، ص ۷۶-۷۷۔

(۳۰) جدید مغربی تعلیم پر ڈاکٹر محمد اقبال کے تنقیدی خیالات و آرا کے بارے میں ملاحظہ ہو: ندوی، سید ابوالحسن علی، ”نقوشِ اقبال“، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۳ء، ص ۸۵-۹۶۔

(۳۱) اقبال، علامہ شیخ محمد، ”ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر“ (مترجمہ: ظفر علی خان)، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۴ء، ص ۲۶-۲۷۔

(۳۲) اس سلسلہ میں ڈاکٹر محمد اقبال کا وہ خط بطور خاص قابل ذکر ہے جو انھوں نے صاحبزادہ آفتاب احمد خان کو (سیکریٹری آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس ووائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) تحریر کیا۔ اس خط میں انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اعلیٰ پیمانے پر علوم اسلامیہ کی تعلیم و تدریس اور فکر اسلامی (علم کلام و فقہ) کی تدوین جدید کے لیے مطلوبہ استعداد کے حامل ماہرین کی تیاری سے متعلق بڑی اہم تجاویز پیش کیں تھیں۔ ملاحظہ ہو: عبدالواحد، سید (مرتب)، ”Thoughts and Reflections of Iqbal“، لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۳-۱۰۹۔

(۳۳) سالک، عبدالمجید، ”ذکرِ اقبال“، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۵۵ء، ص ۲۱۱-۲۱۲۔ علامہ اقبال نے زمانہ حال کی روشنی میں اسلام کے مطالعہ، اس کے عقائد و احکام کی تعبیر نو بالخصوص فقہ اسلامی کی تشکیل جدید کی ضرورت و اہمیت کے متعلق متعدد مواقع پر اظہار خیال کیا ہے۔ محمد سعید الدین جعفری کے نام ایک خط میں رقم طراز ہیں: ”ایشیا کے قدیم مذاہب کی طرح اسلام بھی زمانہ حال کی روشنی میں مطالعہ کیے جانے کا محتاج ہے۔ پرانے مفسرین قرآن اور

دیگر اسلامی مصنفین نے بڑی خدمت کی ہے۔ مگر ان تصانیف میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو جدید دماغ کو اپیل نہ کریں گی۔ میری رائے میں بہ حیثیت مجموعی زمانہ حال کے مسلمانوں کو امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ حکماء میں ابن رشد اس قابل ہے کہ اسے دوبارہ دیکھا جائے۔ علیٰ ہذا القیاس غزالی اور رومی علیہم الرحمۃ، مفسرین میں معتزلی خیال سے زنجیری، اشعری خیال سے رازی اور زبان و محاورہ کے اعتبار سے بیضاوی۔ نئے تعلیم یافتہ مسلمان اگر عربی میں اچھی دستگاہ پیدا کر لیں تو اسلام کے Re-interpretation تعبیر و تشریح نو میں بڑی مدد دے سکیں گے۔ ملاحظہ ہو: ”معنی، سید عبدالواحد (مرتب) ”مقالات اقبال“، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۸۸ء، ص ۳۷۳-۳۷۴۔ فکر اسلامی بالخصوص فقہ اسلامی کی تشکیل جدید کے متعلق علامہ محمد اقبال کے خیالات اور ان کے تنقیدی جائزہ کے لیے دیکھیے: شیخ، عطاء اللہ، ”اقبال نامہ“، لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۴۵ء، حصہ اول، ص ۵۰-۵۱؛ وحید الدین، سید، ”اسلامی فکر کی تشکیل اقبال کی نظر میں“، مشمولہ ضیاء الحسن فاروقی و مشیر الحق (مرتبین)، ”فکر اسلامی کی تشکیل جدید“، نئی دہلی: ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز-جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۱۹۷۸ء، ص ۳۵۶-۳۶۲؛ نیازی، سید نذیر، ”الہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید: خطبات اقبال ایک نظر میں“، مشمولہ ”اقبال“ (لاہور)، ۱۳۷: ۱-۳ (جنوری-جولائی ۲۰۰۰ء)، ص ۱۲۱-۱۳۷؛ عمر، محمد سہیل، ”خطبات اقبال نئے تناظر میں“، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۶ء، ص ۸-۲۲۔

(۳۴) چودھری نیاز علی خان ۱۹۳۵ء میں محکمہ انہار سے بعدہ اسٹنٹ انجینیئر ریٹائر ہونے کے بعد سے مجوزہ ادارے کے قیام کے لیے کوشاں ہوئے۔ اس مقصد سے انہوں نے جمال پور میں اپنی جائیداد کا کثیر حصہ وقف کر دیا تھا۔ مجوزہ ادارے کے لیے کئی رہائشی مکانات اور ایک مسجد بنوادی تھی۔ ان چند مکانات اور مسجد پر مشتمل اس نئی بستی ہی کا نام ”دارالاسلام“ تھا۔ موصوف کے احوال و آثار اور تعلیمی سرگرمیوں نیز دارالاسلام کے بارے میں علماء و مشاہیر سے ان کی مراسلت کے بارے میں ملاحظہ ہو: اعظم، کے ایم، ”حیات سدید: بانی دارالاسلام چودھری نیاز علی خاں“، لاہور: نشریات، ۲۰۱۰ء؛ ہاشمی و خالد (مرتبین)، ۱۹۹۵ء، ”خطوط مودودی-۲“، لاہور: منشورات، ۱۹۹۵ء، ص ۴۱؛ اختر، سفیر، ”بیاد سید مودودی“، لوہسر شرفو-واہ کینٹ: دارالمعارف، ۱۹۹۸ء، ص ۱۲؛ نعمانی، مولانا محمد منظور، ”مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت“، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۹۷ء، ص ۲۷-۲۸؛ خان، سر محمد یامین، ”نامہ اعمال“، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۷۰ء، ج ۲، ص ۸۱۳؛ سہارن پوری، مولانا سید محمد شاہد، ”حیات شیخ: مولانا محمد زکریا کا دہلوی کے احوال و آثار کا جامع تذکرہ“، سہارن پور-انڈیا: مکتبہ یادگار شیخ، ۲۰۰۴ء، ج ۲، ص ۱۱۶-۱۱۷۔

(۳۵) دیکھیے: نیاز علی خان بنام سید ابوالاعلیٰ مودودی، محررہ ۱۵/اپریل ۱۹۳۶ء مشمولہ مجازی، اختر (مرتب)،

”دارالاسلام“، لاہور: ادارۃ ترجمان القرآن، ۱۹۹۵ء، ص ۲۹۔ دارالاسلام پٹھان کوٹ کی تعلیم اسکیم کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: گیلانی، سید اسعد، ۱۹۷۸ء، ”اقبال، دارالاسلام اور مودودی“، لاہور: اسلامی اکادمی، ۱۹۷۸ء؛ قریشی، ریحانہ، ”دارالاسلام- ایک تحقیقی مطالعہ“، لاہور: اعلیٰ پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء؛ اختر، سفیر، ”بیادسید مودودی“، ص ۹-۲۶؛ ہاشمی و خالد (مرتبین)، ”خطوط مودودی-۲“۔

(۳۶) محمد اسد (Leopold Weiss) نے پولینڈ کے شہر Lvov جو کہ اس وقت سلطنت آسٹریا کا حصہ تھا، کے ایک یہودی رے خاندان میں (۱۹۰۰ء) میں آنکھ کھولی۔ خاندانی روایت کے مطابق یہودی علماء سے مقدس مذہبی کتب کی تعلیم حاصل کی۔ ویانا یونیورسٹی سے ادب، فلسفہ اور تاریخ کی تعلیم کے بعد وہ مشہور جرمن اخبار (Frankfurter Zeitung) کے مراسلہ نگار کے بطور مشرق وسطیٰ چلے (۱۹۲۲ء) آئے۔ عربی و اسلامی تہذیب و ثقافت اور معاشرت کے مشاہدہ، اور اسلام کے عمیق مطالعہ کے بعد حلقہ بگوش اسلام (۱۹۲۶ء) ہوئے۔ قبول اسلام کے بعد کئی سال (۱۹۲۶-۱۹۳۲ء) سرزمین حجاز میں مقیم رہے۔ اس دوران انھوں نے عربی زبان و ادب پر دسترس کے علاوہ علوم اسلامیہ میں درک حاصل کیا۔ مسجد نبوی میں درس حدیث سے استفادہ کیا۔ اسد، امام سید احمد سنوسی (لیبیا میں اطالوی استعمار کے خلاف مزاحمت کے قائد اور شمالی افریقہ کے مشہور صوفی سلسلہ ”السنوسیہ“ کے پیشوا) اور مشہور نجدی عالم قاضی القضاۃ عبداللہ بلید کی صحبتوں سے بھی فیض یاب ہوئے۔ سلطان عبدالعزیز ابن سعود (م ۱۹۵۳ء) کے معتمد و مقرب خاص رہے۔ ۱۹۳۲ء میں برصغیر پاک و ہند چلے آئے جہاں ان کے حکیم الامت محمد اقبال اور سید ابوالاعلیٰ مودودی سے قریبی روابط قائم ہو گئے تھے۔ اسد نے عرفات پبلی کیشنز کے نام سے اپنا ذاتی مطبع (سری نگر ۱۹۳۵ء، لاہور ۱۹۳۶-۱۹۳۹ء) بھی قائم کیا۔ جہاں سے انہوں نے بخاری شریف کے ترجمہ و شرح (بزبان انگریزی) کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا۔ محمد ماراڈیوک پکتھال کے انتقال کے بعد مجلہ ”اسلامک کلچر“ (حیدر آباد دکن) کے مدیر (۱۹۳۶-۱۹۳۸ء) بھی رہے۔ بعد ازاں انہوں نے Critique of Muslim Thought "Arafat : A Monthly" کے نام سے اپنا انگریزی مجلہ جاری کیا۔ ۱۹۴۶ء) قیام پاکستان کے بعد وہ حکومت پنجاب کے قائم کردہ۔ Department of Islamic Reconstruction کے ناظم کے منصب پر فائز (۱۹۴۷ء-۱۹۴۹ء) ہوئے۔ موصوف نے وزارت خارجہ میں مشرق وسطیٰ ڈویژن کے ناظم اعلیٰ (۱۹۵۰-۱۹۵۱ء) کے طور پر مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک کے ساتھ پاکستان کے سیاسی و سفارتی روابط کے قیام میں سرگرم کردار ادا کرنے کے علاوہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے وزیر مدارالمہام (Minister Plenipotentiary) کے طور پر بھی خدمات انجام دیں (۱۹۵۱-۱۹۵۲ء) دیں۔ اسد عرصہ چالیس سال تک مغرب میں اسلام کے ایک پر جوش اور صادق و مخلص سفیر کے طور پر سرگرم عمل رہنے کے بعد فروری ۱۹۹۲ء میں اس جہان فانی سے اپنے رب کے حضور پہنچ گئے۔ عصر جدید میں احیائے اسلام، اسلامی

اصول و اقدار کی اساس پر اسلامی معاشرہ اور ریاست کی تشکیل نو، ان کی علمی و فکری سرگرمیوں کا بنیادی موضوع ہے۔ اسلامی فقہ و قانون، اسلام میں ریاست و حکومت کے بنیادی اصول۔ مغربی تہذیب و تمدن کی تنقید و تردید، ترجمہ و تفسیر قرآن اور امام بخاری کی الجامع الصحیح کے انگریزی و ترجمہ و تشریح جیسے متنوع موضوعات پر انہوں نے گرانقدر تصانیف (جو مغرب میں ”اسلام“ کے تعارف کا ایک انتہائی موثر وسیلہ بن گئی ہیں) یادگار چھوڑی ہیں۔ محمد اسد کے حالات زندگی، علمی و تصنیفی سرگرمیوں اور افکار و خیالات کے جائزہ کے لیے دیکھیے:

اسد، محمد، "The Road to Mecca"، لندن: Max Reinhardt، ۱۹۵۴ء، ص ۱-۲ و بموضع کثیرہ؛ وہی مصنف، ۱۹۸۰ء، "The Road to Mecca"، جبرالٹر: دارالاندلس، ۱۹۸۰ء، "Postscript"، ص ۶۳-۳۸۰؛ وہی مصنف، "Islam at the Crossroads"، لاہور: شیخ محمد اشرف، ۲۰۰۷ء، "Foreword"، ص ۱-۴؛ وہی مصنف، ”محمد اسد- بندہ صحرائی: خودنوشت سوانح عمری، ۱۹۳۲-۱۹۹۲ء“، مترجمہ محمد اکرام چغتائی، رتھوین، ملائز، (Ruthven, Malise)، ستمبر ۱۹۸۱ء، "Muhammad Asad: Ambassador of Islam"، "Muhammad Asad: Ambassador of Islam" مشمولہ "Arabia: The Islamic World Review"، شمارہ ۱ (ستمبر ۱۹۸۱ء)، ص ۵۹-۶۲؛ اعظم، کے۔ ایم، "Unforgettable Pakistani"، مشمولہ روزنامہ "The News" (لاہور)، یکم جولائی ۲۰۰۰ء، ص ۶؛ وندھاگر، گنتھر (Windhager, Gunther)، Leopold Weiss alias Muhammad Asad: Von Galizien nach Arabien 1900-1927، کولون (Koln- Weimar)؛ Bohlau Verlag Wien، ۲۰۰۳ء، ص ۱۷۷-۱۷۹ و بموضع کثیرہ؛ نواب، اسماعیل ابراہیم، ۲۰۰۰ء، "A Matter of Love: Muhammad Asad and Islam"، مشمولہ "Islamic Studies"، ۲: ۳۹؛ (۲۰۰۰ء)، ص ۱۵۵-۲۳۲؛ ہوف مان، مراد ولفرڈ، "Muhammad Asad: Europe's Gift to Islam"، مشمولہ "Islamic Studies"، ۲: ۳۹ (۲۰۰۰ء)، ص ۲۳۳-۲۴۸؛ ہوف مان، مراد ولفرڈ، "Diary of a German Muslim"، کولون: IB, Verlag Islamische Bibliothek، ۱۹۸۷ء، ص ۴۱-۴۳، ۵۰-۵۳، ۱۵۲-۱۵۳، ۱۶۸-۱۶۹، ۱۷۷-۱۷۹ و بموضع کثیرہ؛ ہوف مان، مراد ولفرڈ، "Islam: The Alternative"، ریڈنگ (یو کے): Garnet Publishing، ۱۹۹۳ء، ص ۹۱-۹۳؛ حسن، ظل الرحیم، "Muhammad Asad: Scholar and Visionary"، مشمولہ "Iqra"، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۲۵-۲۷؛ اعظم، کے۔ ایم، یکم جولائی ۲۰۰۰ء، "Unforegtable Pakistani"، ص ۶؛ اقبال، مظفر، "A Forgotten Pakistani"، مشمولہ روزنامہ "The News"، ۲۳ جون ۲۰۰۰ء، ص ۶؛ نصر، سید ولی رضا، "Mawdudi and the Making of Islamic Revivalism"، نیویارک: آکسفورڈ

یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۶ء، ص ۱۲۷-۱۲۸؛ سائمن، گنٹر کارل (Simon, Karl Gunter)،
 "Muhammad Asad and The Road to Mecca: Text of Muhammad Asad's Interview" Elma Ruth Harder، مشمولہ "Islamic Studies"، ۳۷: ۴ (۱۹۹۸ء)، ص ۵۳۳-۵۴۴؛ شریف، ایم اے، ۱۹۹۴ء،
 "Searching for Solace: A Biography of Abdullah Yusuf Ali"، اسلام آباد: اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ،
 ۱۹۹۴ء، ص ۱۱۴-۱۱۵، خصوصاً حاشیہ ۳۴۔ مزید دیکھیے: ندوی، سید ابوالحسن علی، ۱۴۱۲ھ، "المفکر الاسلامی
 المہتدی البارز محمد اسد"، مشمولہ "البعث الاسلامی"، ۴: ۳۷ (ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ)، ص ۹۳-۹۶ "وہی مصنف۔
 "اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین"، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۱ء، ص ۳۶-۳۸؛
 حجازی، اختر (مرتب)، "دارالاسلام"، ص ۳۶-۳۷، ۱۴۳-۱۴۴، ۱۴۵-۱۴۶، ۱۴۷-۱۴۸؛ صولت، ثروت،
 جولائی ۱۹۹۲ء، "علامہ محمد اسد مرحوم"، در ماہنامہ "نوائے اسلام" (دہلی)، (جولائی ۱۹۹۲ء)، ص ۳۰-۳۶؛ حیدر،
 خواجہ رضی، "قائد اعظم خطوط کے آئینہ میں" کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۵ء، ص ۴۲۹-۴۳۱؛ خان، ایچ۔ بی،
 ۱۹۷۶ء، "شاہراہ مکہ"، کراچی: نورسی پبلیکیشنز، ۱۹۷۶ء، خصوصاً، باب چہارم (محمد اسد کے حالات)، ص
 ۱۰۲-۱۰۹؛ اختر، محمد کلیم، "علامہ محمد اسد اور علامہ محمد اقبال"، مشمولہ "نوائے وقت"، لاہور، مئی ۱۹۹۲ء، ص
 ۱۰۳-۱۱۳؛ وہی مصنف، "اقبال اور مشابہت کشمیر"، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۷ء، ص ۱۰۳-۱۱۳؛
 سعید، احمد، "اسلامیہ کالج لاہور کی صد سالہ تاریخ"، لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، ۲۰۰۱ء، ص ۲۴۰-۲۴۲۔
 نیازی، سید نذیر، "اقبال کے حضور"، کراچی: اقبال اکادمی، ۱۹۷۱ء، ص ۳۸۳-۳۸۷؛ وہی مصنف (مرتب)،
 مکتوبات اقبال، کراچی: اقبال اکادمی، ۱۹۵۷ء، ص ۱۶۱، ۱۷۵-۱۷۶، ۱۷۸-۱۷۹، ۱۷۹-۱۸۰؛ بموضع کثیرہ۔
 (۳۷) نیاز علی خان بنام سید ابوالاعلیٰ مودودی، محررہ ۸ مارچ ۱۹۳۷ء مشمولہ حجازی، اختر (مرتب)، "دارالاسلام"، ص ۴۳؛
 نیاز علی خان بنام سید ابوالاعلیٰ مودودی، محررہ ۱۰/اپریل ۱۹۳۷ء مشمولہ حجازی، اختر (مرتب)، "دارالاسلام"، ص
 ۵۱-۵۲۔

(۳۸) مولانا احمد علی لاہوری، (۱۵/اگست، ۲۱/نومبر، ۲۱/دسمبر ۱۹۳۰ء، ۱۵/فروری، ۳۱/مئی ۱۹۳۱ء، ۸/جون ۱۹۳۲ء)

ابن شیخ حبیب اللہ (پیدائش: ۲۵/مئی ۱۸۸۶ء-۱۸۸۷ء)، وفات: لاہور ۲۳/فروری ۱۹۶۲ء۔

مولانا احمد علی نے دارالارشاد نواب شاہ میں تعلیم حاصل کی اور وہیں تدریس کا آغاز کیا۔ بعد ازاں لاہور منتقل ہو
 گئے۔ ۱۹۲۰ء میں لاہور کی خلافت کمیٹی کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک کے زیر اثر ۱۹۲۱ء
 میں کابل ہجرت کی۔ ۱۹۲۲ء میں لاہور میں انجمن خدام الدین کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۲۳ء میں مدینہ قاسم العلوم قائم کیا۔
 جمعیتہ العلمائے پاکستان کے صدر بھی رہے۔ آپ مولانا عبید اللہ سندھی کے ربیب تھے، یعنی مولانا احمد علی کے والد

کے انتقال کے بعد ان کی والدہ نے نکاحِ ثانی مولانا عبید اللہ سندھی سے کیا تھا۔ مولانا کی ساری تعلیم و تربیت مولانا سندھی نے کی۔ مولانا سندھی کے قائم کردہ مدرسہ دارالارشاد میں تعلیم حاصل کی اور جب مولانا سندھی دیوبند اور پھر دہلی میں رہے تو اس مدرسے کا انتظام مولانا احمد علی کرتے رہے، بعد میں مولانا سندھی نے مولانا احمد علی کو دہلی بلا لیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے زمانے میں تحریکِ ریشمی رومال سے تعلق کی بنا پر نظر بند کیے گئے، اور اس سلسلے میں راہواں (جاندھر) دہلی، شملہ اور لاہور میں حوالات میں رکھے گئے۔ ۱۹۱۷ء میں رہائی ملی تو لاہور میں مسجد لائن سجان خان میں درسِ قرآن شروع کیا۔ اس درس سے بلامبالغہ ہزاروں افراد مستفید ہوئے۔ ۲۲۔ ۱۹۲۱ء میں انجمنِ خدام الدین قائم کی۔ یہ انجمن آج تک دین اسلام کی خدمت کر رہی ہے۔ مولانا احمد علی کی متعدد دینی و علمی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں ”خطباتِ جمعہ“ اور ”مجلسِ ذکر کے مواعظ“ کی آٹھ آٹھ جلدیں بھی شامل ہیں۔ قرآن شریف کا ترجمہ مع حواشی بھی کیا ہے جو ”قرآنِ عزیز“ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ مولانا احمد علی ایک روشن خیال اور ایمانی فراست سے بہرہ مند عالم تھے۔ وہ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں دعوت و تبلیغ کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ اس غرض سے انھوں نے ۱۹۳۰ء کی دہائی میں انجمنِ خدام الدین کے زیرِ اہتمام ایک انگریزی پرچہ ”اسلام“ کے نام سے جاری کیا۔ جس کی ادارت کی ذمہ داری خواجہ عبدالوحید انجام دیتے رہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ندوی، سید ابوالحسن علی، س۔ن۔، ”پرانے چراغ“، کراچی: مجلس نشریات اسلام، س۔ن۔، حصہ اول، ص ۱۱۳۴-۱۶۳۔ مزید دیکھیے: خان، عبدالحمید، س۔ن۔، ”مردِ مؤمن“، لاہور: مکتبہ خدام الدین، س۔ن۔، انگلہ، لال دین، ”سوانح حیات سید العارفین شیخ النیسر حضرت مولانا احمد علی لاہوری“، لاہور: مکتبہ خدام الدین، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء؛ عبدالوحید، خواجہ، ۵۰۰۲ء، ”یادِ ایام روزنامہ“، جریدہ (۳۳)، غیر مطبوعہ کتابیں نمبر، جلد ۵ (کراچی)، ص ۳۵۲-۳۵۴ و بمواضع عیدہ۔

(۳۹) غیر مطبوعہ، مملوکہ شاہ امین عطا، لاہور۔ مذکورہ خط شبلی اکیڈمی، دارالمصنفین، اعظم گڑھ یو، پی کے لیٹر پیڈ پر۔ حیدر آباد دکن توپ کا سانچہ نمبر ۴۱۱ سے لکھا گیا۔

(۴۰) غیر مطبوعہ، مملوکہ شاہ امین عطا، لاہور۔

(۴۱) چودھری نیاز علی خان اور سید ابوالاعلیٰ کے مابین مرسلت کی تفصیل کے لیے دیکھیے: ہاشمی، رفیع الدین و سلیم منصور

خالد (مرتبین)، ”خطوط مودودی“، ص ۴۱-۱۶۹؛ حجازی، اختر (مرتب)، ”دارالاسلام“، ص ۲۷-۱۰۷۔

(۴۲) ہاشمی و خالد، ”خطوط مودودی“، ص ۵۹-۶۷۔

(۴۳) ایضاً، ص ۶۹-۷۰۔

(۴۴) ایضاً، ص ۷۳۔

(۴۵) ایضاً، ص ۸۴۔

(۴۶) علامہ سید سلیمان ندوی نے اسد کی مذکورہ تصنیف کی اشاعت پر معارف (اعظم گڑھ) میں اپنے ادارتی شذرات میں لکھا: ”ہم کو اپنے تمام نو مسلم بھائیوں میں سب سے زیادہ جس کی شخصیت نے متاثر کیا ہے، وہ آسٹریا کے ایک گمنام نو مسلم لیو پولڈ ویس معروف بہ محمد اسد ہیں..... چند ماہ ہوئے کہ موصوف نے اپنی ایک مختصر لیکن جامع کتاب ”اسلام آن دی کراس روڈ (اسلام راہ عبور پر)“ بزبان انگریزی شائع کی ہے۔ اس میں موجودہ حالات و خیال کے پیش نظر اسلام کی تعلیم کو بطور نجات پیش کیا ہے، اس ضمن میں یورپ کے تمدن اور رجحانات دماغی کی تنقید کی ہے۔ بعض مسلمانوں میں اس وقت یورپین تجدد اور احادیث نبویہ سے روگردانی کی بدعتوں کو اصلاح (Reformation) کے نام سے پیش کرنے کی جو افراط و تفریط پیدا ہو رہی ہے اس کی غلطیاں نہایت صحت اور نکتہ سنجی کے ساتھ ظاہر کی ہیں۔ کتاب کے اس باب The Spirit of Sunnah و Hadith اور Sunnah کو پڑھ کر اپنے ان نئے خیال دوستوں کو حافظ کا یہ شعر سننے کو جی چاہتا ہے:

حسن ز بصرہ ، بلال از حبش ، صہیب از روم
ز خاک مکہ ابو جہل ، ایں چہ بوالعجبی است

ملاحظہ ہو: ”معارف“ (اعظم گڑھ)، ۳۴: ۴ (اکتوبر ۱۹۳۴ء)، ص ۲۴۲-۲۴۳۔ سید سلیمان ندوی نے عبدالماجد دریابادی کے نام ایک خط محررہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۴ء میں لکھا: ”جی ہاں جرمن نو مسلم محمد اسد سے پورا واقف ہوں یہ مسلمانوں سے بڑھ کر مسلمان ہے۔“ ملاحظہ ہو: دریابادی، مولانا عبدالماجد (مرتب)، ”سید سلیمان ندوی کے خطوط عبدالماجد دریابادی کے نام“، کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۶ء، حصہ دوم، ص ۳۷۔

(۴۷) بر عظیم میں قیام کے دوران میں محمد اسد کا جس شخصیت سے سب سے گہرا تعلق قائم ہوا وہ علامہ محمد اقبال تھے۔ اسد کا ۱۹۳۲ء میں لاہور میں قیام کے ابتدائی دنوں میں علامہ محمد اقبال سے جو نیاز مندانہ تعلق استوار ہوا وہ ان کی وفات تک برابر قائم رہا۔ اسد علامہ کی زندگی کے آخری سالوں میں تو ان کے حلقہ خواص میں شامل ہو گئے تھے۔ الہیات اسلامیہ اور فقہ اسلامی کے بارے میں دونوں کے مابین بحث و گفتگو رہتی تھی (اسد، محمد، ”بندہ صحرائی: محمد اسد۔ خودنوشت سوانح عمری“، مترجمہ محمد اکرام چغتائی، لاہور: دی ٹرو تھ سوسائٹی، ۲۰۰۸ء، ص ۵۸-۶۴)۔ محمد اسد شمالی افریقہ کی سنوئی تحریک کے تیسرے اور آخری امام سیدی احمد الشریف کے بعد جدید دنیائے اسلام کی جس شخصیت سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے وہ علامہ محمد اقبال تھے۔ وہ علامہ اقبال کے خیالات و افکار اور ان کے شعرو فن کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ علامہ محمد اقبال اس زیرک و جری نو مسلم کے جذبہ اسلامیت کی بڑی قدر کرتے تھے۔ سید نذیر نیازی کے بقول، جو اکثر مواقع پر علامہ محمد اقبال اور محمد اسد کے درمیان پیغام رسانی اور رابطہ کا ذریعہ رہے تھے، ”حضرت علامہ نے ان (اسد) کی تصنیف ”Islam at the Crossroads“ کو پسند فرمایا تھا“، (دیکھیے: نیازی، نذیر، (مرتب)، ”مکتوبات اقبال“، کراچی: اقبال

اکادمی، ۱۹۵۷ء، ص ۱۵۹، حاشیہ ۱۲)۔ ڈاکٹر محمد اقبال اسے علمی و فکری کاموں کے لیے تحریک بھی کرتے رہے (ملاحظہ ہو: اسد، محمد، "The Road to Mecca"، لندن: Max Renhardt، ۱۹۵۴ء، ص ۲-۳؛ وہی مصنف، ۱۹۳۵ء، "Sahih al-Bukhari"، سرینگر: عرفات پبلی کیشنز، ۱۹۳۵ء، ج ۱، ص ۷؛ سائمن (Simon)، "Muhammad Asad"، سائمن، گنٹر کارل (Simon, Karl Gunter)، ۱۹۹۸ء، "Muhammad Asad and The Road to Mecca: Text of Muhammad Asad's Interview" مترجمہ ایلمارٹھ ہارڈر (Elma Ruth Harder)، مشمولہ "Islamic Studies"، ۴: ۳۷ (۱۹۹۸ء)، ص ۵۳۹)۔ دونوں کے مابین دنیائے اسلام کو درپیش اہم مسائل و تحدیات پر، خصوصاً فقہ و علم الکلام کے تشکیل نو سے متعلق گفتگو رہتی (دیکھیے: اسد، محمد، ”بندہ صحرائی: محمد اسد-خودنوشت سوانح عمری“، مترجمہ محمد اکرام چغتائی، ص ۸۱-۸۲)۔ محمد اسد، ملک محمد اشرف (۱۹۱۵-۱۹۸۱ء) کے نام ایک خط محررہ ۱۷ جون ۱۹۴۶ء، از ڈلہوزی، میں لکھتے ہیں:

"I cannot say anything about Iqbal as a poet. I know him well, but almost all our conversations were concerned with Islamic theology and jurisprudence" (غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم)۔

علامہ محمد اقبال کے بعض خطوط کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسد کے مسائل و معاملات میں ذاتی طور پر دلچسپی لیتے رہے۔ علامہ سید نذیر نیازی کے نام ایک خط میں، رقم طراز ہیں:

”معلوم نہیں محمد اسد کیا کرتے ہیں۔ شاید وہ کوئی انگریزی اخبار یا رسالہ نکالنے والے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ ان کو کہیں دینیات یا عربی زبان کا پروفیسر کر دیا جائے۔ ان کی انگریزی کتاب "Islam at the Crossroads" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دین اسلام کے اسرار سے ناواقف نہیں۔ اگرچہ اُن کے Pessimism (قنوطیت) سے مجھے اتفاق نہیں۔“ (دیکھیے: نیازی، سید نذیر (مرتب)، ”مکتوبات اقبال“، ص ۱۶۱)۔ اس ضمن میں اسلامیہ کالج لاہور میں اسد کے بطور پروفیسر عربی و اسلامیات تقرر کا معاملہ بطور خاص قابل ذکر ہے۔ ۱۹۳۳ء میں اسلامیہ کالج لاہور کی کمیٹی نے علامہ اقبال، جو بطور صدر انجمن حمایت اسلام کالج کے سرپرست اعلیٰ بھی تھے، کی تحریک پر طلبہ کی دینی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کرنے کا فیصلہ کیا (دیکھیے: ”رونداد اجلاس جنرل کونسل“، منعقدہ ۱۴ جولائی ۱۹۳۴ء، ص ۲-۳)۔ چنانچہ علامہ ہی کے مشورے سے سال اول سے سال چہارم کے طلبہ کے لیے دینی تعلیم کا نصاب بھی مرتب کیا گیا۔ کالج کمیٹی کو دینیات کی تدریس کے لیے ایک ایسے عالم و فاضل کی ضرورت تھی جو اعلیٰ پائے کا عالم و خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ انگریزی دان بھی ہو اور دوسرے مذاہب سے بھی واقفیت رکھتا ہو (سعید، احمد، ”اسلامیہ کالج لاہور کی صد سالہ تاریخ“، حصہ دوم، ص ۲۳۸-۲۴۰)۔ علامہ محمد اقبال نے بطور صدر انجمن حمایت اسلام کالج کمیٹی کو دینیات و عربی کے پروفیسر کے لیے محمد اسد کا نام

تجویز کیا اور ساتھ ہی از خود محمد اسد سے رابطہ کر کے انہیں کالج میں بطور استاد تقرر پر آمادہ کر لیا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نیازی، نذیر (مرتب)، ”مکتوبات اقبال“، ص ۱۶۱، ۱۷۴-۱۷۵، ۱۷۸-۱۷۹، و بموضع کثیرہ)۔ اسد نے علامہ کے نام ایک خط میں اسلامیہ کالج میں تدریس اسلامیات کے منصوبے کو ایک عمدہ تجویز قرار دیا اور بطور استاد تقرر کے لیے اپنی رضامندی سے آگاہ کیا۔ اسد نے دینیات کے نصاب کے بارے میں کچھ تجاویز بھی پیش کیں اور اسلامیہ کالج کو شمالی ہندوستان میں اسلامیات کی تدریس کا ایک اہم مرکز بنانے سے متعلق اپنے ارادوں کا ذکر کیا۔ وہ (اسد) اسلامیہ کالج میں اسلامیات کے شعبہ کو مغربی ممالک کی جامعات میں مختلف ادیان و مذاہب کی تدریس و تحقیق کے لیے قائم شعبوں جیسا اعلیٰ معیار کا ادارہ بنانا چاہتے تھے (محمد اسد بنام علامہ محمد اقبال، محررہ ۱۲ جولائی ۱۹۳۴ء، از دہلی۔ یہ خط ”رونداد اجلاس جنرل کونسل“، منعقدہ ۱۴ جولائی ۱۹۳۴ء، ص ۱۰-۱۲، میں نقل کیا گیا ہے۔ ایم۔ اے۔ شریف نے علامہ سید عبداللہ یوسف علی کی سوانح حیات (بزبان انگریزی) میں بھی اس خط کو نقل کیا ہے، دیکھیے: شریف، ۱۹۹۴ء، "Searching for Solace: A Biography of Abdullah Yusuf Ali" (ص ۱۱۴-۱۱۵، حاشیہ ۳۴)۔ اسلامیہ کالج کی جنرل کونسل نے ۱۹۳۴ء کے وسط میں کالج کمیٹی کی سفارش پر محمد اسد کی اسلامیات و عربی کے پروفیسر کے بطور تقرر کی منظوری دے دی۔ کالج کمیٹی نے ان کی تنخواہ مقرر کرنے کا حتمی اختیار کالج کے سرپرست اعلیٰ علامہ اقبال کو دے دیا۔ علامہ نے آزمائشی طور پر عرصہ چھ ماہ کے لیے ۲۵۰ روپے ماہانہ تنخواہ مقرر کی (نیازی، نذیر (مرتب)، ”مکتوبات اقبال“، ص ۱۷۹)۔ اسد نے اسی تنخواہ پر تقرر اس شرط پر منظور کر لیا کہ عرصہ چھ ماہ بعد تنخواہ تین سو روپے ماہوار کر دی جائے گی (محمد اسد بنام علامہ محمد اقبال، محررہ ۳۱ جولائی ۱۹۳۴ء، مضمولہ ”رونداد اجلاس جنرل کونسل“، منعقدہ یکم اگست ۱۹۳۴ء، ص ۲۷-۲۹ مزید دیکھیے: شریف، "Searching for Solace"، اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۴ء، ص ۱۱۵)۔ اگرچہ کالج کمیٹی نے اسد کی اس شرط کو تسلیم کر لیا تھا اور بطور پروفیسر اسلامیات ان کے تقرر کی باضابطہ طور پر منظوری دے دی تھی (دیکھیے: ”رونداد اجلاس جنرل کونسل“، منعقدہ یکم اگست ۱۹۳۴ء، ص ۲۷-۲۹؛ سعید، احمد، ”اسلامیہ کالج کی صد سالہ تاریخ“، ص ۲۴۰-۲۴۲)۔ تاہم انہوں نے بخاری شریف کے انگریزی زبان میں ترجمہ کی مشغولیت کو اسلامیہ کالج میں تدریسی ذمہ داریاں سنبھالنے پر ترجیح دی۔ اسد کے ایک خط بنام چودھری نیاز علی خان (م: ۱۹۷۶ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلامیہ کالج میں تدریس اسلامیات کی اسکیم سے کامل طور سے مطمئن نہ تھے مزید برآں وہ ترجمہ و شرح بخاری بزبان انگریزی کو دیگر تمام مشاغل و مصروفیات پر مقدم رکھنا چاہتے تھے (محمد اسد بنام نیاز علی خان، محررہ ۲۲ نومبر ۱۹۳۵ء، از سری نگر: ۱۸ نومبر ۱۹۳۶ء، از ماڈل ٹاؤن، لاہور)۔ نصاب کمیٹی نے طلبہ کو عقائد و فقہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے چند پاروں کی ترجمہ کے ساتھ تدریس کے علاوہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تاریخ اسلام کو نصاب میں شامل کیا تھا۔ جب کہ اسد روایتی طرز کی فقہی تعلیم کے علاوہ تاریخ تشریع اسلامی کی اس طور سے تدریس چاہتے تھے کہ طلبہ کو حالات و زمانہ

کے تغیر کے ساتھ ساتھ شرعی احکام و مسائل میں تبدیلی کا فلسفہ و حکمت ذہن نشین ہو سکے۔ اس دراصل فقہ میں تقلید کے سخت خلاف اور اجتہاد کے پر جوش داعی و حامی تھے اور اس طرز فکر کو طلبہ تک منتقل کرنا چاہتے تھے (ملاحظہ ہو: محمد اسد بنام علامہ محمد اقبال، محررہ ۱۲ جولائی ۱۹۳۴ء، مشمولہ ”رؤنہ ادا جلاس جنرل کونسل“، منعقدہ ۱۲ جولائی ۱۹۳۴ء، ص ۱۰-۱۲)۔ علامہ محمد اقبال سے محمد اسد کے تعلقات و روابط کے لیے مزید دیکھیے: اختر، کلیم، ”علامہ محمد اسد اور علامہ محمد اقبال“، مشمولہ روزنامہ ”نوائے وقت“ (لاہور)، ۵ مئی ۱۹۹۲ء، ادارتی صفحہ؛ وہی مصنف، ”اقبال اور مشاہیر کشمیر“، ص ۱۰۳-۱۱۳؛ رضوی، خورشید، ”سید نذیر نیازی سے ایک مکالمہ“، سہ ماہی اقبال (لاہور)، ۴۷: ۳-۱ (جنوری-جولائی ۲۰۰۰ء)، ص ۸۶-۸۷؛ برنی، مظفر حسین (مرتب)، ”کلیاتِ مکاتیبِ اقبال“، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۳ء، ج ۳، ص ۵۳۱-۷۹؛ نیازی، نذیر، ”اقبال کے حضور“، ص ۳۸۳-۳۸۷؛ نیازی، سید نذیر (مرتب)، ”ہکتو بات اقبال“، ص ۱۶۱، ۱۷۴-۱۷۵، ۱۷۸-۱۷۹، ۱۸۷؛ محمد اسد بنام ملک محمد اشرف (۱۹۱۵-۱۹۸۱ء)، محررہ ۱۷ جون ۱۹۴۶ء، از ڈاہوزی، غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم۔

(۴۸) محمد اسد بنام نیاز علی خان، محررہ ۲۲ نومبر ۱۹۳۵ء، از سری نگر-کشمیر، غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم۔ خط کے اردو ترجمہ کے لیے دیکھیے: اعظم، کے ایم، ”حیاتِ سدید“، ص ۶۱-۶۳۔

(۴۹) محمد اسد بنام نیاز علی خان، محررہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۶ء، از ماڈل ٹاؤن، لاہور، غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم۔ اس خط کے اردو ترجمہ کے لیے دیکھیے: کے ایم اعظم، حیاتِ سدید، ص ۶۲-۶۷۔

(۵۰) نیاز علی خان نے سید مودودی کے نام ایک خط میں لکھا تھا: ”میں نے اپنے ایک مجوزہ ادارے کے لیے جناب سے مشورہ کیا تھا، اب میں اراضی وقف پر مکانات تعمیر کر رہا ہوں اور اس ادارہ کے متعلق چند بزرگوں سے بات چیت کی ہے..... مولانا محمد اسد، جرمن نو مسلم، جو حیدرآباد کی طرف سے رسالہ ”مسلم (کذا)، اسلامک کلچر“ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے ہیں، انہوں نے میرا شریک کار ہونا منظور کر لیا ہے۔ میں نے ان سے ذکر کیا تھا۔ ان کو بھی جناب کی ذات والا صفات سے بہت عقیدت ہے۔“ ملاحظہ ہو: حجازی (مرتب)، ”دارالاسلام“، مکتوب نمبر ۶، ص ۳۵-۳۶۔

(۵۱) سید مودودی بنام نیاز علی خان، محررہ ۱۹ رمضان المبارک، ۱۳۵۵ھ، مشمولہ حجازی (مرتب)، ”دارالاسلام“، ص ۳۸؛ ہاشمی و خالد (مرتبین)، ”خطوط مودودی-۲“، ص ۵۶-۵۷۔

(۵۲) محمد اسد بنام نیاز علی خان، محررہ ۲۲ نومبر ۱۹۳۵ء، از سری نگر؛ ۱۸ نومبر ۱۹۳۶ء، از ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ مزید ملاحظہ ہو: حجازی (مرتب)، ”دارالاسلام“، مکتوب ۸، ص ۴۲-۴۳۔

(۵۳) محمد اسد بنام نیاز علی خان، محررہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۶ء، از ماڈل ٹاؤن، لاہور، غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم۔ اس خط کے اردو ترجمہ کے لیے دیکھیے: اعظم، کے ایم، ”حیاتِ سدید“، ص ۶۲-۶۷۔

(۵۴) نیاز علی خان بنام سید مودودی (محررہ ۸ مارچ ۱۹۳۷ء) رقم طراز ہیں: ”مولانا اسد یہاں (جمال پور، پٹھان کوٹ) آ کر کئی روز قیام کر گئے ہیں وہ یہاں اپنا گھر بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور اس ادارہ کو اپنی تالیف و تصانیف سے جو وقت بچے، دینے کے لیے آمادہ ہیں۔ مگر ابھی تک وہ مالی معاملات سے متعلق پریشان ہیں..... علامہ محمد اقبال میری اس تجویز (منصوبے) سے بہت دلچسپی لے رہے ہیں۔ بلکہ ان کے خیالات تو بہت بلند ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس ادارہ کو ان شاء اللہ ایسا بنائیں گے کہ اس کا اثر یورپ تک پہنچے گا، ملاحظہ ہو: حجازی (مرتب)، ”دارالاسلام“، مکتوب ۸، ص ۴۳۔ چودھری نیاز علی خان سے محمد اسد کے روابط نیز دارالاسلام، جمال پور۔ پٹھان کوٹ میں ان کے قیام کے بارے میں دیکھیے: اسد، محمد، ”بندہ صحرائی: محمد اسد۔ خودنوشت سوانح عمری“، مترجمہ محمد اکرام چغتائی، ص ۷۸-۸۰۔

(۵۵) ملاحظہ ہو: نیاز علی خان بنام سید مودودی، محررہ ۸ مارچ ۱۹۳۷ء، و ۲۶ اپریل ۱۹۳۷ء، مشمولہ حجازی (مرتب)، ”دارالاسلام“، ص ۴۳-۴۴، ۵۵-۵۶۔

(۵۵ب) برنی، سید مظفر حسین (مرتب)، ”کلیات مکاتیب اقبال“، جلد ۴، ص ۵۱۳-۵۱۵۔

(۵۶) ہاشمی، عبداللہ شاہ (مرتب)، ”اقبالیات سید نذیر نیازی“، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۶ء، ص ۱۰۳-۱۰۴۔ مزید دیکھیے: رحیم بخش شاہین، ”اوراقِ گم گشتہ“، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۵ء، ص ۸۱-۸۲؛ خورشید، عبدالسلام، ”سرگزشت اقبال“، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۶ء، ص ۳۹۲۔

(۵۷) نیاز علی خان بنام سید مودودی، محررہ ۱۶ اپریل ۱۹۳۷ء؛ ۵ مئی ۱۹۳۷ء، مشمولہ حجازی (مرتب)، ”دارالاسلام“، ص ۵۵، ۶۰۔

(۵۸) مصطفیٰ المرائی کے افکار و خیالات کے لیے ملاحظہ ہو: الرومی، فہد بن عبدالرحمن بن سلیمان، ”منہج العقلیۃ الحدیثۃ فی التفسیر“، الرياض: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۷ھ، ص ۱۸۸-۱۹۳؛ مزید ملاحظہ ہو: ایڈمز، چارلس سی، "Islam and Modernism in Egypt"، لندن: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۳۳ء، ص ۲۰۸-۲۰۹۔

(۵۹) گیلانی، سید اسعد، ”اقبال، دارالاسلام اور مودودی“، ص ۹۶، ۱۵۸-۱۵۹، ۳۰۲؛ اختر، سفیر، ”بیاد سید مودودی“، ص ۱۳۔

(۶۰) ملاحظہ ہو: اقبال کے علامہ مصطفیٰ المرائی کے نام خط کے متن کے لیے ملاحظہ ہو: عطاء اللہ، ”اقبال نامہ“، حصہ اول، ص ۲۵۱-۲۵۳؛ سالک، عبدالمجید، ”ذکر اقبال“، ص ۲۱۳-۲۱۴۔

(۶۱) ملاحظہ ہو: گیلانی، سید اسعد، ”اقبال، دارالاسلام اور مودودی“، ص ۸۳، ۹۶۔ مصطفیٰ المرائی کے خط بنام ڈاکٹر محمد اقبال کے لیے دیکھیے: ہاشمی، رفیع الدین (مرتب)، ۱۹۷۶ء، ”خطوط اقبال“، لاہور: خیابان ادب، ۱۹۷۶ء، ص ۲۸۸؛ اختر، سفیر، ”بیاد سید مودودی“، ص ۱۴-۱۵۔

(۶۲) سید محمد شاہ علامہ اقبال کے بڑے عقیدت مند تھے۔ انہوں نے تعلیمات و افکار اقبال کے فروغ کے لیے جولائی ۱۹۳۶ء میں پٹھان کوٹ سے ماہنامہ ”پیغام حق“ جاری کیا اور ۱۹۳۹ء میں اقبال اکیڈمی، لاہور قائم کی۔ وہ ادارہ دارالاسلام کے تاسیسی رکن تھے۔ جماعت اسلامی کے قیام کے بعد رسالہ ”ترجمان القرآن“ اور مکتبہ کا انتظام ان کے سپرد ہوا۔ وہ ۲۲ نومبر ۱۹۴۲ء کو جماعت اسلامی سے الگ ہو گئے، ملاحظہ ہو: ہاشمی، رفیع الدین و سلیم منصور خالد (مرتب)، ۱۹۸۳ء، ”خطوط مودودی“، لاہور: البدر پبلی کیشنز، ۱۹۸۳ء، ص ۸۹، حاشیہ ۳۔

(۶۳) دیکھیے: حجازی (مرتب)، ”دارالاسلام“، ص ۷۳۔

(۶۴) نیاز علی خان نے سید مودودی کے نام ایک خط (محررہ ۷ جون ۱۹۳۷ء) میں لکھا: ”مولانا محمد اسد صاحب چند روز سے یہاں (جمال پور) تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ان کا خط آپ کے نام اس خط میں ہے۔“ دیکھیے: حجازی (مرتب)، ”دارالاسلام“، ص ۶۸۔ نیاز علی خان سید مودودی کے نام ایک دوسرے خط (محررہ ۱۸ جولائی ۱۹۳۷ء) میں لکھتے ہیں: ”محمد اسد آپ کو خود اپنی قربت کی دعوت دے چکے ہیں۔ سید محمد شاہ آپ کی خدمت و رفاقت کے لیے آمادہ ہیں۔ میرا اب خیال ہے کہ ان تین ارکان محمد اسد، سید محمد شاہ اور سید مودودی کی تقرری کا حکم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہو چکا ہے۔“ ملاحظہ ہو: حجازی (مرتب)، ”دارالاسلام“، ص ۷۲۔

(۶۵) ملاحظہ ہو: حجازی (مرتب)، ”دارالاسلام“، ص ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱

- (۱۹۶۲ء) اور مولانا امین احسن اصلاحی (م: ۱۹۹۷ء) بھی شامل تھے۔ تاہم وہ نہ تو خود شریک ہوئے اور نہ ہی انہوں نے اپنی آراء بصورت تحریر ارسال کیں۔ دیکھیے: حجازی (مرتب)، ”دارالاسلام“، ص ۱۵۶-۱۵۸۔
- (۷۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: گیلانی، اسعد، ”اقبال، دارالاسلام اور مودودی“؛ قریشی، ریحانہ، ”دارالاسلام- ایک تحقیقی جائزہ“، ص ۵۱-۸۵؛ حجازی (مرتب)، ”دارالاسلام“، ص ۳۰۷-۳۲۰؛ اعظم، کے ایم، ”حیات سدید“، خصوصاً ص ۳۴۴-۵۶۱؛ صدیقی، رحمن، ”مولانا ابوالکلام آزاد، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مستری صاحب“، لاہور: محمد حمید احمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۱۳۵-۱۵۰۔ مزید دیکھیے: نصر، سید ولی رضا، "Mawdudi and the Making of Islamic Revivalism"، نیویارک: اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۶ء، ص ۱۲۷-۱۲۸۔
- (۷۴) نیاز علی خان بنام سید مودودی، مشمولہ حجازی (مرتب)، ”دارالاسلام“، ص ۴۳، ۶۸؛ صدیقی، نعیم، ”علامہ محمد اسد مرحوم“، مشمولہ ہفت روزہ ”زندگی“ (لاہور)، ۱۳:۲، ۳، ۴ تا ۱۷/اپریل ۱۹۹۲ء، ص ۱۳؛ گیلانی، اسعد، ”اقبال، دارالاسلام اور مودودی“، ص ۹۷، مزید ملاحظہ ہو: کے ایم۔ اعظم، "Unforgettable Pakistani"، مشمولہ روزنامہ "The News"، یکم جولائی ۲۰۰۰ء ص ۶۔
- (۷۵) مذکورہ امور و مسائل کی بابت محمد اسد کے افکار و خیالات کے لیے دیکھیے: محمد اسد کی تحریروں کے علمی و فکری اثرات و نتائج کے جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو: ارشد، محمد، ”اسلامی ریاست کی تشکیل جدید: نو مسلم۔ کال محمد اسد کے افکار کا تنقیدی مطالعہ“، لاہور: الفیصل، ۲۰۱۱ء، ابواب: ۵، ۶، ۷؛ وہبی مصنف، ”اسلام اور مغرب: نو مسلم دانش ور محمد اسد کی نظر میں“، مشمولہ ”فکر و نظر“ (اسلام آباد)، ۴:۴۳، ۴ (اپریل - جون ۲۰۰۶ء)، ص ۶۸-۷۱۔ اس ضمن میں سید ابوالاعلیٰ مودودی کے خیالات کے لیے ملاحظہ ہو: ہاشمی و خالد (متربین)، ”خطوط مودودی“، بہوض کثیرہ؛ حجازی (مرتب)، ”دارالاسلام“۔ روایتی اسلامی نظام تعلیم اور مسلم جامعات میں رائج جدید نظام تعلیم کی اصلاح اور جدید مسلم نوجوان نسل کی موثر دینی تعلیم و تربیت کے بارے میں سید مودودی کے افکار و خیالات کا جامع طور سے اظہار ان تحریروں میں ہوا ہے جو انہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں دینیات اور علوم اسلامیہ کے ناقص طرز تعلیم کی اصلاح کی غرض سے تیار کر کے اس یونیورسٹی کے کارپردازوں کو ارسال کی تھیں، دیکھیے: مودودی، سید ابوالاعلیٰ، ”اشارات“، مشمولہ ”ترجمان القرآن“، ۵:۸ (جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ)، ص ۲-۱۳؛ ”مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اسلامی تعلیم“، مشمولہ ”ترجمان القرآن“، ۶:۸ (جمادی الآخریٰ، ۱۳۵۵ھ)، ص ۵۰-۷۴۔ سید مودودی کی یہ دونوں تحریریں تعلیمی مسائل سے متعلق ان کے مجموعہ مضامین ”تعلیمات“ (مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۲ء)، میں شامل ہیں۔ اس سلسلہ میں علامہ اقبال کے خیالات کے بارے میں ملاحظہ ہو: عبدالواحد، سید (مرتب)، "Thoughts and Reflections of Iqbal"، ص ۱۰۳-۱۰۹۔



امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کتاب ”فقہ اکبر“ کا اردو ترجمہ (از مفتی محمد سعد اللہ مراد آبادیؒ)

تبسم صابر*

انیسویں صدی میں جن لوگوں نے علمی دنیا میں نمایاں کارناموں کے نقوش چھوڑے ہیں ان میں ایک بہت ممتاز نام مفتی محمد سعد اللہ مراد آبادیؒ (ولادت ۱۸۰۴ء - وفات ۱۸۷۷ء) کا بھی ہے۔ (۱) آپ نے اپنی پوری زندگی تعلیم و تدریس کے ساتھ وعظ و افتا میں گزاری۔ آپ کا شمار کثیر التصانیف مؤلفین کی فہرست میں ہوتا ہے۔ عربی، فارسی اور اردو میں تقریباً ۳۸ کتابوں کے نام آپ کے تذکرے میں ملتے ہیں۔

مفتی صاحب علیہ الرحمۃ مسلک حنفی تھے اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے علوم مرتبت اور عظمت شان کے پورے طور پر معترف اور ان کے مداحوں میں سے تھے۔ آپ کی تصانیف میں ایک مختصر رسالہ امام اعظمؒ کے حالات میں ملتا ہے۔ جسے آپ نے بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ قلم بند کیا ہے یہ رسالہ اس اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں زیادہ تر شوافع کی کتابوں سے امام صاحبؒ کے فضائل و مناقب بیان کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے گراں قدر تحریری سرمائے میں امام اعظمؒ کے وصیت نامے اور ان سے منسوب کتاب ”فقہ اکبر“ کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔ زیر نظر مضمون میں ہم اسی آخر الذکر رسالہ ”ترجمہ فقہ اکبر“ سے متعلق جو کچھ معلومات فراہم کر سکے ہیں اسے ہدیہ ناظرین کرنا چاہتے ہیں۔

اہل علم حضرات واقف ہیں کہ عام طور پر امام اعظم ابوحنیفہؒ کی جانب تین کتابیں منسوب کی جاتی ہیں (۱) فقہ اکبر (۲) العالم والمعلم (۳) اور مسند۔ لیکن امام اعظمؒ کی طرف ان کا انتساب یقینی نہیں ہے۔ بعض حضرات انھیں امام صاحب کی تصنیف مانتے ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ امام صاحب نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ چنانچہ ”فقہ اکبر“ جس پر گفتگو کرنا مقصود ہے اس کے سلسلے میں بھی علما میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے اگرچہ یہ رسالہ امام اعظمؒ کی تصنیف کے نام سے ہی مقبول ہے اور بے شمار ارباب علم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ مولانا عبدالحی الحسنیؒ نے اپنی کتاب ”اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں“ (۲) سید محمد بن یوسف حسینی گیسو دراز کی ”شرح فقہ اکبر“ اور مولوی وکیل احمد سکندر پوری کی ”الیا قوت الاحمر شرح فقہ اکبر، نیز مہر انور ترجمہ فقہ اکبر“ بہ زبان اردو اور مولوی

* رام پور، یو پی، انڈیا